بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ارباب احتجاج کی خدمت میں ایک گذارش

ہمارے ہاں، بدقسمتی سے ایک غلط تصور عام ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کوئی بھی ہو، اگر آپ کو اس میں کوئی بات ایسی نظر آئے، جو آپ کے نزدیک غلط ہے تو آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ آپ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ کا یہ اقدام جہادِ عظیم قرار پائے گا اور آپ کو بطلِ حریت کہہ کر پکارا جائے گا۔ اس متشددانہ تصور کا نتیجہ ہے کہ آپ کی حکومتیں خود اپنوں ہی کے ہاتھوں تباہ ہوتی رہیں۔ باطل کی مخالفت اور حق کی حمایت میں آواز اٹھانا، بے شک تقاضائے حریت ہے۔ لیکن پہلا سوال یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ جسے آپ نے باطل کہہ کر اس کے خلاف قدم اٹھایا ہے، وہ فی الواقعہ باطل ہے۔ اگر ہر شخص کو اس کا فیصلہ کرنے کا حق انفرادی طور پر دے دیا جائے تو اس کا جو نتیجہ مرتب ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرا غور طلب سوال یہ ہے کہ اپنی حکومت میں اگر کوئی بات ایسی نظر آئے جسے آپ غلط سمجھتے ہوں، تو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا طریق اور اس کی حدِ آخر کیا ہوگی؟ کیا آپ حکومت کے خلاف بغاوت شروع کر دیں گے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ اس خاص معاملہ کے متعلق، آئینی طور پر آواز بلند کیجئے۔ قومی شعور بیدار کیجئے، حتیٰ کہ آئینی اور جمہوری انداز سے خود اس حکومت کو تبدیل کر دیجئے لیکن ملک میں فساد اور بغاوت برپا نہ کیجئے۔ دیکھئے اس باب میں ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے کیا ہدایت ملتی ہے۔ آپ، مشکوٰۃ کا باب الامارۃ والقضاۃ نکالیئے۔ اس میں آپ کو اس قسم کے ارشاداتِ نبویؐ ملیں گے کہ:

(۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص اپنے حاکم کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو ناگوار ہو، تو صبر کرے۔ اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہو، اور اس حالت میں مر جائے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (بخاری و مسلم)۔

یا یہ کہ

(۲) جو شخص تم پر حاکم بنایا جائے اور تم اس کے کسی ایسے فعل کو دیکھو جو خدا کی نافرمانی پر مبنی ہے تو تم اس کے اس فعل کو برا سمجھو اور اس کی اطاعت سے دستبردار نہ ہو۔ (مسلم)۔

نیز۔

(۳) اوائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ سلمہ بن یزید جعفیؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اے خدا کے رسولؐ! آپ اس معاملہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارے حقوق سے انکار کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے احکام کو سنو اور اطاعت کرو کہ ان پر وہ بات فرض ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لی ہے اور تم پر وہ چیز جس کی ذمہ داری تم نے لی۔ (مسلم)۔

اور ابوداؤد کی یہ روایت کہ

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم اپنے اماموں (حاکموں) کے ساتھ کس طرح بسر کرو گے جبکہ وہ کافروں سے خراج اور جزیہ لیں اور مستحق لوگوں کو نہ دیں۔ یعنی ایسی حالت میں صبر کرو گے یا ان سے لڑو گے۔ اس نے عرض کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں اپنی تلوار کو اپنے کندھے پر رکھ کر ان سے قتال کروں گا اس وقت تک کہ میں آپ ﷺ سے جا ملوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے اچھی بات نہ بتلاؤں۔ تو صبر کر جب تک تو مجھ سے آ ملے۔

یہی وہ تعلیم نبوی ﷺ ہے جس کا مظاہرہ ہم ابھی تک اپنی نمازوں میں کرتے ہیں۔ اگر نماز میں امام سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو مقتدیوں کا فریضہ اتنا ہی ہے کہ وہ کسی طرح اشارہ کنایۃ سے اسے متنبہ کریں کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود امام اپنے فیصلے کے مطابق عمل کرتا جائے تو مقتدیوں میں سے کسی کو نہ تو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر امام کو الگ کر کے خود نماز پڑھانے لگ جائے اور نہ ہی اس کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ جماعت سے الگ ہو کر اپنی نماز جدا پڑھ لے۔ ان تمام مقتدیوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس غلط فیصلے میں بھی امام کی پیروی کریں اور بعد میں اس کے ساتھ سجدۂ سہو نکالیں۔

لیکن ہم اس قسم کی ہدایات کو مسجد کی چار دیواری تک محدود رکھتے ہیں، زندگی کے دوسرے گوشوں میں نہ صرف یہ کہ ان کی متابعت ضروری نہیں سمجھتے بلکہ ان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

یہ جو ہمارے ہاں عام ذہنیت پیدا کی جا رہی ہے کہ حکومت کی جو بات بھی ناگوار گذرے اس کے خلاف سرکشی اختیار کر لی جائے، کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ اسلامی تو ایک طرف، اسے عام معانی کے لحاظ سے جمہوری طریق بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یاد رکھئے۔ جس طریق میں ذرا سا بھی قوت کا استعمال ہو، اسے جمہوری طریق نہیں کہا جائے گا اور ''قوت کا استعمال'' مار دھاڑ، دنگہ فساد تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ دوسروں کی تذلیل و تحقیر، جھوٹے الزامات اور ان کی تشہیر، سب و شتم، نعرہ بازیاں، ہنگامہ آرائیاں۔۔ حتیٰ کہ سول نافرمانی اور دھرنا، بھوک ہڑتال وغیرہ، سب قوت کے استعمال کے مختلف روپ ہیں۔ جمہوری (اور اسلامی) طریق، آئین و قوانین کی پابندی اور دلائل و براہین کی رو سے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانے اور صداقت کا قائل کرانے کا نام ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب

(مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم)

تمدن انسان کا فطری تقاضا ہے اور اس کی تشکیل کے لئے وہ کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان کا ظہور تمدن کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک الگ تھلگ جزیرے میں اگر مرد اور عورت ہوں تو وہ خود اپنے طبائع سے تمدن کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

انسانی معاشرے میں اس طرح جو تمدن معرض وجود میں آتا ہے وہ اس وقت تک صحت مند اور صالح رہتا ہے جب تک کہ اس سے افراد معاشرہ کی اکثریت کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ لیکن جب ان میں معاشرتی ناہمواری افراط وتفریط کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور ایک طبقے کے پاس سب کچھ ہوتا ہے اور دوسرا ادنیٰ ضرورتوں تک سے محروم ہو جاتا ہے، تو یہ تمدن برباد کئے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے کو اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑے تو پھر اس میں انقلاب کا آنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک ''کاسب'' طبقے کی کمائی پر ''غیر کاسب'' طبقے کا قبضہ کر لینا شریعت کے خلاف ہے۔ اسی طرح خود ''کاسبوں'' کے ایک گروہ کا ان کے دوسرے گروہ کی کمائی کا زیادہ حصہ ہتھیا لینا بھی ناجائز ہے۔

جب کسی معاشرہ میں یہ حالت ایک وبائی شکل اختیار کر لے اور معاشی ناہمواری کی افراط وتفریط اس کا عام معمول بن جائے تو اس میں حتمی طور سے انقلاب آ جاتا ہے۔ چنانچہ اس معاشرے کا ایک گروہ تو انقلاب کا مبلغ بنتا ہے اور دوسرے اس کے ہمدرد ہو جاتے ہیں۔ بے شک ان ہمدردوں کے اخلاق واطوار کا اثر اس انقلاب کے مظاہر پر پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس انقلاب کی روح کا تعلق ہے اس کا ترجمان وہی گروہ ہوتا ہے جو انقلاب کا مبلغ وقائد ہے۔

ہر انسان کو اپنا رزق خود پیدا کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ کسی وجہ سے معذور ہے تو وہ بات دوسری ہے۔ ایک انسان کا خود اپنی روزی پیدا کرنا ایک فطری تقاضا ہے، اب ایک گھرانا ہے جس میں کمانے والے کم اور کھانے والے زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے یہ گھرانا جلد یا بدیر تباہ ہوگا۔ اسی طرح جس معاشرے میں کاسب کم ہوں، اور کھانے والے زیادہ، وہ معاشرہ روگی

---

[1] یہ مضمون مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی ''امالی'' سے مرتب کیا گیا ہے۔ (مدیر)۔

ہے۔ اور اس کا ختم ہونا لابدی ہے۔ لیکن اگر ایک معاشرے میں ''کاسب'' زیادہ ہیں لیکن ان کی محنت سے جو دولت پیدا ہوتی ہے اسے منتظمین کا ایک مخصوص طبقہ دوسروں سے زیادہ لے لیتا ہے یعنی حق کسب سے حق انتظام بہت زیادہ ہے' تو اس صورت میں بھی یہ معاشرہ غیر صالح ہے اور اس کا جانبر ہونا مشکل ہے۔

غرض انسانیت کے فساد کی سب سے بڑی وجہ یہی معاشی ناہمواری کی افراط وتفریط ہے' اس سے جہاں ایک طرف فقر و فاقہ اور عیش وعشرت عام ہوتی ہے وہاں دوسری طرف اخلاق بھی بگڑتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے بہت حد تک معاشی حالات کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ اسی لئے ہم عام مرفہ الحالی اور لوگوں کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کے معاملے میں بہت حد تک اشتراکیوں کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انسانوں میں جو اخلاق (ان کے عام معنوں میں) اور تفکر کی قوتیں ہیں ان کی تربیت کیسے ہو' بے شک ہم چاہتے ہیں کہ انسانوں کی معاشی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے لیکن ساتھ ہی انسانیت کے اس عنصر کو جو اخلاق اور تفکر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تشنہ نہ چھوڑا جائے۔[1]

بات یہ ہے کہ اخلاق اور فکر کے بغیر کوئی نظام پائیدار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جہاں ہم استحصال پسند سرمایہ داروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے معاشرے کے بہت بڑے حصے کو معاشی لحاظ سے محتاج رکھ کر انسانیت کی سطح سے گرا دیا ہے وہاں ہمارا دوسرا الزام ان پر یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے اس بڑے حصے میں سے اس طبقے کو جو اخلاق اور فکر کو ترقی دے سکتا تھا محتاج بنا کر اس قابل نہ رہنے دیا۔ چنانچہ اس لحاظ سے استحصال پسند سرمایہ داروں کا قصور دوہرا ہے۔ بدقسمتی سے جب کسی وجہ سے معاشرہ کا وہ طبقہ جو اخلاق اور فکر کو ترقی دینے کی صلاحیتیں رکھتا ہے اپنی صلاحیتوں سے صحیح کام نہیں لے سکتا تو اس کی یہ صلاحیتیں ذلیل کاموں میں صرف ہوتی ہیں' جن کی پہلی شکل تملق اور چاپلوسی ہے' اس کے ذریعہ وہ بڑوں کی خوشامد کرتا اور اس طرح اپنی معاشی احتیاجات پوری کرتا ہے۔ یہی مرض آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا موجب بنتا ہے۔ اس منزل میں نفس ناطقہ کے ذاتی خواص سارے تباہ ہو جاتے ہیں اور انسانیت فاسد ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی مسخ شدہ انسانیت کو برباد کرنے کے قدرتی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اسے ہم انقلاب کا نام دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں انبیاء کے جو قصے ہیں' وہ اسی قسم کے انقلاب کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمگیر انقلاب کے داعی تھے جس کا ایک مثالی نمونہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہؓ اس انقلاب کے دائرے کو اور وسیع کرتے ہیں اور ان کے عہد میں وہ سلطنتیں جو فساد انسانیت کا باعث تھیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور صحت مند انسانیت کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں میں آپ کو اسلام کے اس تاریخی کردار کے بارے میں اس طرح کے افکار ملیں

[1] یہ دونوں باتیں قرآن کریم کے نظام اجتماعی کی رو سے ہی ممکن ہیں۔ (طلوع اسلام)۔

گے' جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بار بار بیان کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء کا کام فساد انسانیت کو ختم کر کے صالح انسانیت کے لئے سازگار حالات پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے وہ ائمہء انقلاب ہوتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے اور وہ اس لئے کہ آپ کی دعوت سب سے زیادہ عالمگیر ہے۔

اب ایک طرف آپ کو حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ افکار ملتے ہیں اور دوسری طرف وہ ان مفاسد کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے زمانے میں عام ہو گئے تھے اور جنہوں نے انسانیت عامہ کو خراب کر دیا تھا' اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان مفاسد کا علاج وہی ہے جو اس سے پہلے انبیائے کرامؑ کے ذریعہ ہو چکا ہے اور جس کا ایک اعلیٰ نمونہ اسلام کا وہ تاریخی کردار ہے جو عہد نبویؐ اور دور خلافت راشدہ میں وجود میں آیا۔ اسے ہم شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب کہتے ہیں۔

اب ہم شاہ صاحب کی کتابوں سے ان کے ان افکار کا مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

۱؎ ''معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی' تو ان کی معاش و روزی بھی زمین پر مقرر کی اور زمین کی اشیاء سے انتفاع ان کے لئے مباح اور جائز گردانا۔ اور چونکہ حرص و آز کی وجہ سے ان کے ہاں نزاعات و جھگڑے ہونے لگے تو حکم الٰہی یہ قرار پایا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے.....''

''نیز چونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور بلا باہمی تعاون کے انسان کی معاشی و معاشرتی تعمیر کی استقامت ناممکن ہے اس لئے قضائے الٰہی سے انسانوں کے لئے باہمی تعاون واجب اور لازم کر دیا۔ نیز چونکہ نوع انسانی کا کوئی فرد بلا کسی سخت مجبوری کے تمدنی و عمرانی اور تمدنیات و عمرانیات کے دخل و اثر سے علیحدہ' بے تعلق اور بے اثر نہیں رہ سکتا اور اس کا اصل اور حقیقی سبب اور وجہ یہی ہے کہ انسان کے لئے اپنے مباح مال کا تحفظ ناگزیر ہے نیز اس مال مباح کا جو ہر انسان کے لئے مخصوص اور مختص ہو چکا ہے جس کے ذریعہ ہر انسان اپنی امداد و استعانت کرتا ہے' نمو اور اضافہ بھی ضروری ہے.....''۔

اب اس مال میں نمو اور اضافہ شاہ صاحب کے الفاظ میں ''بلا باہمی تعاون معاشی کے متعذر اور محال ہے اور اس تعاون کے کچھ ایسے طریقے ہیں کہ جن کے بغیر شہری زندگی کی استقامت متغیر اور دشوار ہو جاتی ہے.....'' اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ ''میں کہتا ہوں' اس کی حقیقت وہی ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مال اور ملکیت ہے..... اور کسی انسان کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ اس چیز سے انتفاع کا حق سب سے زیادہ اس کو ہے' دوسرے کو نہیں.....''۔

پھر فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جس مباح چیز میں بہت سے لوگوں کے حقوق علی الترتیب لازم ہوں' تو ایسی صورت میں واجب یہی ہے کہ ترتیب کی اسی قدر رعایت کی جائے جس سے سب کو فائدہ پہنچے اور یہ

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ کے ان اقتباسات کا اردو ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل گودھری مرحوم کے ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے۔ (مدیر)۔

فائدہ ایسا ہو جو کم سے کم سمجھا جائے .....''۔

اس ضمن میں ایک حدیث بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے:

''آنحضرت ﷺ نے ابیض بن حمال کو نمک کا ایک چشمہ وار قطعہ عطا کر دیا تھا۔ کسی نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! آپؐ نے اس کو نہ ٹوٹنے والا' نہ ختم ہونے والا مادہ دے دیا۔ راوی کہتا ہے یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے وہ قطعہ ان سے واپس لے لیا۔۔۔ میں کہتا ہوں' اس امر میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ جن معادن اور کانوں میں زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہو' ایسی معادن اور کانیں کسی ایک مسلمان کو دے دینا عام مسلمانوں کے حق میں مضرت رساں ہے اور ان کے حق میں ایک قسم کی ضیق اور تنگی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس قطعۂ نمک کو ابیض بن حمال آربی سے واپس لے لیا۔''

اس تمہید کے بعد حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

کسی شہر کے اندر مثلاً دس ہزار آدمی اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں' اس وقت اس شہر کی مدنی شہری سیاست اور شہر کے باشندوں کے کسب اور پیشوں سے بحث ناگزیر ہوگی۔ وہ پیشے جن سے شہر کی معیشت متوازن نہ رہے' شاہ صاحب کے نزدیک فساد اور خرابی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس صورت میں عطیہ حکمت الٰہی کے مطابق معروف و مستحسن طریقوں پر معروف و مستحسن کسب اور پیشے ان کے لئے لازم کر دیئے جائیں اور رذیل وخسیس پیشوں سے ان کو روک دیا جائے تو شہری باشندوں کی حالت یقیناً درست ہو جائے گی۔

معاش کا یہ فساد شاہ صاحب کے نزدیک ''شہر و ملک کے لئے ایسا متعدی' ضرر رساں مرض اور روگ ہے کہ شہر اور ملک کے تمام گوشوں میں پھیل جائے گا اور اس طرح عام ہو جائے گا کہ تمام باشندوں کو اپنی زد میں لے لے گا اور یہ مرض اور اس کا زہر شہر و ملک میں اس طرح جاری و ساری اور پیوست ہو جائے گا۔ جس طرح کسی کو کتا کاٹ لیتا ہے اور اس کے سارے جسم میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے اور یہی وہ مہلک وخطرناک مرض تھا' جو عجمی ممالک میں بلائے بے درماں کی طرح تمام پر مسلط ہو چکا تھا۔ چنانچہ خدائے قدوس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو القاء فرمایا کہ اس مرض مہلک کا علاج کریں اور مرض کے اصل مادہ کا قلع و قمع کر دیں.....'' (ص ۲۸۲۔۲۹۰)۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشرے کے ان مفاسد کا ازالہ بھی تھا جو معیشت کے خراب طریقوں کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے۔

خود شاہ صاحب کے زمانے میں معاشرے میں اس قسم کے جو مفاسد پیدا ہو چکے تھے' آپ نے ان کا بھی ذکر کیا ہے' فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں شہروں کی بربادی کے دو بڑے اسباب ہیں' ایک یہ کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ چونکہ وہ فوجی یا عہدے دار ہیں' اس لئے بیت المال پر ان کا حق ہے۔ اور اس طرح ان کا کسب معاش کا ذریعہ صرف بیت المال بن کر رہ گیا ہے۔ یا زہاد اور شعراء وغیرہ ہیں جن کو بادشاہوں کے صلہ کی عادت پڑ گئی ہے اور اپنی معاش کا ذریعہ

صرف بیت المال ہی کو سمجھ بیٹھے ہیں اور بغیر کسی خدمت کے بیت المال پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے ہاں جاتے ہیں اور ان میں کبیدہ خاطری پیدا کرتے ہیں اور شہری آبادی پر بارگراں بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ کسانوں' تاجروں' پیشہ وروں اور دست کاروں پر گراں بار ٹیکس لگائے جا رہے ہیں اور ان پر حد سے زیادہ سختی کی جا رہی ہے جس سے اطاعت گزاروں پر مصیبت آتی ہے اور برباد ہو جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو جری ہوتے ہیں' وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ شہروں کی بہبود کا طریقہ یہی ہے کہ رعایا پر کم سے کم ٹیکس لگائے جائیں اور ضرورت کے مطابق محافظ و نگراں مقرر کئے جائیں۔ اہل زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔'' (ص ۱۲۳ حصہ اول)۔

شاہ صاحب کا یہ فرمانا ولیتنبہ اھل الزمان بھذہ النکتہ (اہل زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہئے) اپنے دور کے ارباب حکم کے لئے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دعوت امور دین کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی جملہ معاشی' سیاسی اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح پر بھی مشتمل تھی۔

رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے ختم ہونے کے معنی کیا تھے؟ شاہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ حصہ اول میں اسے یوں بیان کیا ہے:

''آنحضرت صلعم کے عہد سعید میں وہ اقالیم صالحہ اور ممالک متمدنہ کہ جن میں معتدل مزاج کی تولید و پیداوار ہوا کرتی تھی' وہ دنیا کے دو بڑے زبردست بادشاہوں کے ماتحت تھے' ایک کسریٰ کہ عراق' یمن' خراسان اور ان کے متصل کے تمام ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے تمام بادشاہ' راجہ اس کے محکوم و باجگزار تھے اور ہر سال انہیں کسریٰ کو ایک مقررہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔

دوسرا قیصر تھا۔ شام' روم اور اس کے نواح کے ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا اور مصر' مغرب اور افریقہ وغیرہ کے تمام سلاطین اس کے زیر فرمان اور باجگزار تھے۔ ان دو زبردست شہنشاہوں کی دولت و طاقت کو توڑ دینا اور ان کے ملک پر تسلط و اقتدار قائم کر لینا ایسا تھا گویا تمام روئے زمین پر تسلط و اقتدار قائم کر لیا گیا۔ ان سلاطین کی غیر معتدل مرفہ الحالی اور مفرطانہ عیش پرستی کے جراثیم اور مہلک عادات و اطوار کی گندگیاں ان تمام ممالک میں سرایت کر چکی تھیں جو ان کے تسلط و اقتدار کے زیر فرمان تھے اور تمام باشندے ان کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ اس لئے ان کی عادات و اطوار اور رسوم و رواجات کو تبدیل کر دینا اور ان کو ان خطرناک مہلک جراثیم سے پاک صاف کر دینا گویا دنیا کے تمام ممالک کی اصلاح و درستی تھی اگرچہ بعد میں جا کر ان امور نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی.....۔

''حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کیا کہ ملت و دین کی کجی کو دور کیا جائے اور ایک ایسی امت اور قوم تیار کی جائے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پوری قوت سے انجام دے اور لوگوں کی فاسد رسوم کو یکسر تبدیل کر دے تو یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ ان ہر دو بڑی

سلطنتوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جاتا اور اس مقصد کو سہولت و آسانی سے حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان ہر دو جابر سلطنتوں سے تعرض کیا جاتا۔ کیونکہ انہی دو سلطنتوں کے حالات تمام متمدن اور صالح ممالک میں سرایت کئے ہوئے تھے' یا سرایت کرتے چلے جاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو سلطنتوں کے زوال اور قلع قمع کا فیصلہ کیا اور خود آنحضرت صلعم نے اس کی خبر دی کہ ھلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ ھلک قیصر ولا قیصر بعدہ۔ (کسریٰ ہلاک ہوا' اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا' اور قیصر ہلاک ہوگیا' اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا) اور حق اس طور پر نازل ہوا کہ روئے زمین سے باطل کی جڑیں اس طریقہ سے اکھاڑ دی گئیں۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کر دیا گیا اور پھر عرب کے ذریعہ ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اور دنیا کو پاک وصاف کر دیا گیا۔ وللہ الحجۃ البالغہ.....''۔

ایک اور جگہ شاہ صاحب سلاطین عجم و روم کی بداعمالیوں کا مقابلہ اپنے دور کے بادشاہوں' رئیسوں اور امیروں سے یوں کرتے۔ لکھتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہئے کہ سلاطین عجم وروم قرن ہا قرن سے سلطنتوں کے وارث چلے آرہے تھے۔ اس لئے یہ لوگ سرتاپا دنیوی لذتوں اور عیش کوشیوں کے عادی ہو چکے تھے۔ آخرت کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔ شیطان ان پر پوری طرح غالب آچکا تھا اور انہی امور کو انہوں نے مقصد حیات سمجھ لیا تھا.....شدہ شدہ یہ حالت ہوگئی کہ وہ امیر' رئیس یا سردار جس کی کمر کی پیٹی اور تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی۔ اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے۔ اسی طرح وہ شخص جس کے پاس عالی شان محل' شاندار قصر و ایوان' حوض' حمام' باغات' خوبصورت قیمتی چوپائے' گھوڑے' حسین غلام و خدام اور لونڈیاں نہ ہوتیں.....اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے۔ اس قسم کے امور کا ذکر بہت طویل ہے اور ان کی داستانوں کے دہرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اپنے ملک کے بادشاہوں' رئیسوں اور امیروں کا حال ہی دیکھ لو۔

غرض اس قسم کے مہلک اور خطرناک امور ان لوگوں کی معاشرت کے اصول اور جزو زندگی بن گئے تھے اور ایسی خطرناک شکل اختیار کر لی تھی کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے تب بھی ان کے دلوں سے ان کا نکلنا دشوار تھا۔ شہر و ملک کے تمام اطراف و جوانب میں یہ لاعلاج امراض اس طرح پھیل گئے تھے کہ لوگ ایک عام مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے.....تمام کے دامن اس سے الجھ گئے تھے اور تمام کو عاجز و مغلوب کر کے رکھ دیا تھا.....''۔

(آخر میں) جب دنیا میں یہ عظیم ترین مصیبت عام ہوگئی اور یہ مہلک و خطرناک مرض نہایت سخت ہوگیا۔ روم عجم کے تمدن غیر صالحہ نے دنیا کی کمر توڑ دی تو ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ مقربین کی ناراضی ظاہر ہوئی اس وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں تھی کہ اس مہلک مرض کا علاج کیا جائے.....اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ پیغمبر صلعم کی سلطنت قائم کر کے عجمیوں کی سلطنت ختم کر دی جائے اور یہ شکل اسی طرح وقوع پذیر ہوئی کہ ھلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ وھلک قیصر ولا قیصر بعدہ۔''

شاہ صاحب نے ''البدور البازغہ'' میں معاشی فراغت (ترفہ) میں ایک حد اعتدال قائم کرنے کی تلقین کی

ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''اس بارے میں دو متعارض قیاس ہیں' ایک یہ کہ معاشی فراغت اچھی چیز ہے۔ طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے مزاج' دماغ اور دل صحیح رہتا ہے۔ اخلاق اور علوم اس کی وجہ سے استقامت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہ کند ذہنی اور بدخلقی' برے کھانے اور دوسری بری تدابیر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیز ذہانت' نیک خلقی اور لطف و مروت صحت مند تدبیروں کا حاصل ہے۔ اس ضمن میں دوسرا قیاس یہ ہے کہ معاشی فراغت بری ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اور انسان دوڑ دھوپ میں پڑ کر آخرت سے منہ موڑ لیتا ہے۔[1]

شاہ صاحب ان دونوں پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ معاشی فراعت یعنی رفاہیت میں افراط و تفریط دراصل معاشی ناہمواری سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

آج کل کے سیاسی نظاموں میں اہل علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ شاہ صاحب اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ ایک ''بورڈ'' ہو۔ جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں' میں نے کسی مذہبی عالم کے ہاں اس طرح کا فکر نہیں پایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کامل ریاست میں جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں نظام قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا آدمی ہونا چاہئے جو اکیلا سب امور کی کفالت کرے اور وہ ''الامام الحق'' ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔ ''وقلما یوجد ذالک'' اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے۔ چنانچہ اکثر دو تین امور ایک آدمی کی تحویل میں ہوتے ہیں اور باقی امور دوسرے کے پاس۔ (البدرالبازغہ' ص۷۳)۔

شخصی حکومت کے بجائے عقلائے قوم کی حکومت کی یہ تجویز پارلیمنٹری[2] نظام کا نقطہ آغاز ہوسکتی تھی' کاش اس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی۔

''اقترابات'' جن سے مراد قرب الٰہی کے حصول کے ذرائع اور ارتفاقات'' جو عبارت ہیں معاشی' سیاسی و اجتماعی تدابیر سے شاہ صاحب کے نزدیک اسلام ان دونوں کے لئے صراط مستقیم پیش کرتا ہے۔ اس نے قیصریت و کسرویت کو ختم کر کے ''ارتفاقات'' میں راہ وسط پیدا کی اور ہر قسم کے شرک کی تردید کر کے ''اقترابات'' کا صحیح مقام معین کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت آفریں طبیعت کا یہ خاص کمال ہے کہ انہوں نے اس دور میں اسلام کی اس ہمہ گیر روح کو بے نقاب کیا۔ ایک تو انہوں نے روحانی زندگی و مادی زندگی (اقترابات اور ارتفاقات) کے ایک وحدت ہونے کا اثبات کیا اور بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ کرنا بھی تھا دوسرے انہوں نے تمام مذاہب کے مشترک مبادی معین کئے[3] اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے از سرنو وہ تمام ذہنی وسعتیں بے نقاب کیں جو صدیوں سے ان کی نظروں سے اوجھل تھیں۔

یہ اساسی نظریہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کی اس دعوت کا جسے میں ان کی ''دعوت انقلاب'' کا نام دیتا ہوں۔ (بہ شکریہ الرحیم)۔

---

[1] البدرالبازغہ ص۵۵۔۵۶ [2] قرآنی اصطلاح میں مشاورتی نظام کہنا زیادہ صحیح ہے پارلیمنٹری نظام کہنے سے وہ جھگڑے سامنے آجاتے ہیں جو آج کل پارلیمنٹری اور صدارتی طرز کے سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں۔ [3] شاہ صاحب کی تعلیم کا یہ حصہ غیر واضح رہ گیا ہے جس سے ذہن اس ابوالکلامی مسلک کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس کی رو سے کہا یہ جاتا ہے کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ مسلک قرآن کریم کے خلاف ہے۔ (طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالخیر کشفی

اکبر کے ''الحاد'' میں علماء کا حصہ

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہہ و صوفی و مُلّا کی ناخوش اندیشی

عظیم مغل شہنشاہ اکبر ۱۵۴۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کی طبیعت میں ''مذہبی رنگ'' موجود تھا۔ اسلام کے شعائر کی پابندی کرتا۔ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیتا اور اسے اپنی نجات کا وسیلہ گردانتا۔ اکبر اعظم نے صدر الصدور شیخ عبدالغنی کے جوتے اٹھا کر ان کے پیروں میں پہنائے۔ ایک بار جشن سالگرہ کی کسی ''بدعت'' پر صدر الصدور نے اکبر کو یوں ٹوکا کہ ان کا عصا اس کے شانے سے لگا' مگر وہ خاموش رہا۔ لیکن اکبر کے حصہ میں ''روایتی مذہب'' ہی آیا تھا۔ یہی اس کا ورثہ تھا۔ ملوکیت کی گود کا پلا ہوا نوجوان دین کے حقیقی تصورات سے آشنا بھی ہوتا تو کس طرح؟۔۔ بہرحال آج کے مروجہ معیاروں کے مطابق وہ ''دیندار اور متدین مسلمان'' تھا۔ ایسا شہنشاہ جس نے درویشانہ شان کے ساتھ خواجہ اجمیرؒ کے آستانے پر حاضری دی۔ جس نے ایک بزرگ کی نسبت سے فتح پور سیکری کو اپنا ''دارالخلافہ'' بنایا۔

فتح پور سیکری میں ۱۵۷۱ء سے تعمیرات کا حصہ شروع ہوا اور یہیں اکبر نے عبادت خانہ تعمیر کرایا۔ ''عبادت خانہ'' جسے آج کی اصطلاح میں علماء کی اکیڈمی کہنا مناسب ہوگا۔ اکبر علماء کی صحبت میں ''تزکیہ نفس'' اور دین سے آگاہی'' کا متلاشی تھا' مگر ہوا یہ کہ اس اکیڈمی کی پہلی ہی نشست کے ساتھ جھگڑے شروع ہو گئے۔ اصولی اور علمی بحثیں نہیں' بلکہ اس بات پر جھگڑے کہ کس کا مقام کیا ہے اور کون کہاں بیٹھے۔ اس کے علاوہ اظہار علمیت پر جھگڑے۔ اسی اظہار علمیت کی بنیادوں پر ہمارے فقہ کے ایوان کی کئی منزلیں تعمیر ہوئی ہیں مثلاً ''غسل جنابت'' پر کم وبیش کئی ہزار صفحے تحریر کئے گئے ہیں۔ بقول مولانا حالیؔ اگر کوئی آفت زدہ ان کا مطالعہ شروع کر دے تو اسے غسل نصیب نہ ہو۔ یوں غیر ضروری موشگافیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ''مذہب'' سے اکبر کی بدظنی کا آغاز ہوا۔ علماء کی یہ حالت دیکھ کر اکبر نے کہا کہ ''جو نامعقول بات کہے اسے مجلس سے اٹھا دو'' اس پر ملا بدایونی نے کہا کہ۔۔ ''پھر تو بہتوں کو اٹھانا پڑے گا''۔ (منتخب التواریخ)۔

ملا عبدالقادر بدایونی جو عہد اکبری کے مذہبی رجحانات کے سخت گیر نقاد اور نکتہ چیں ہیں' مخالفوں کی تذلیل کا کام تو خود انہوں نے شروع کیا تھا۔ انہوں نے قدامت

پرستوں (صدر الصدور شیخ عبدالنبی' حاجی ابراہیم سرہندی وغیرہ) کے خلاف محاذ بنایا اور اکبر کو خوش کرنے کے لئے فقیہانہ موشگافیوں کے دروازے کھول دیئے۔ اکبر کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں اور وہ کسی کو طلاق دئے بغیر اپنے اس فعل کو جائز قرار دینا چاہتا تھا (چار تو آج بھی جائز ہیں)۔ اس مسئلہ میں ملا صاحب نے جو کردار ادا کیا اسے شیخ محمد اکرم کی زبانی سنیئے۔

''ایک دو نے متعہ کا راستہ دکھایا۔ دوسروں نے اس کی حنفی فقہ کی رو سے مخالفت کی اس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس کے حق میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دے دے تو ایک حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔ بادشاہ کو اور کیا چاہئے تھا۔ دربار سے حنفی قاضی کو رخصت کیا اور اس کی جگہ مالکی قاضی حسین عرب مکی کی تعیناتی ہوئی۔ جس نے فوراً حسب الطلب فتویٰ دے دیا۔''

اکبر نے اپنے عبادت خانہ میں یہ تماشا دیکھا کہ ایک عالم جس چیز کو حرام قرار دیتا' دوسرا اسے حلال ثابت کر دیتا۔ دونوں روایات کی موجوں میں اپنی فقہ کی کشتی چلاتے اور کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ ''حلال وحرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے اور خدائی احکام اپنی مکمل شکل میں قرآن حکیم میں موجود ہیں''۔ باہمی جھگڑوں اور بنیادی مسائل میں علماء کے اختلافات نے اکبر کو ''اسلام'' سے بدظن کرنا شروع کیا۔

ان اختلافات کا منطقی نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ اکبر نے یہ طے کیا کہ مختلف نقاطِ نظر کو سن کر حلال وحرام کا فیصلہ وہ خود صادر کرے اور یوں اس نے اپنے لئے منصب اجتہاد حاصل کر لیا اور علماء نے اس کی اس حیثیت کو عملی طور پر تسلیم بھی کر لیا۔ اب عبادت خانہ میں ہر فرقہ کے علماء جمع ہوتے۔ وہ لوگ جو اسی پر خوش اور مطمئن تھے جو انہیں باپ دادا سے ملا تھا اور جن میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ''فرقہ پرستی عملی شرک ہے۔'' شیعہ' سنی' صوفی' مہدوی' مالکی' حنفی' حنبلی' شافعی' اہل حدیث سب ہی عبادت خانہ کے رکن بنے۔ شیعہ عالم ملا محمد یزدی نے نئے شاخسانے نکالے' یا یوں کہئے کہ انہوں نے فرقہ پرستی اور فرقہ سازی کے تمام ''اصولوں'' کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے خلفائے ثلاثہ اور رسول اللہ ﷺ کے صحابیوںؓ کی بڑی جماعت کو برا بھلا کہا۔

''ملا محمد یزدی..... طعن صریح و ناسزائے قبیح برخلفائے ثلاثہ وتکفیر وتفسیق عامۂ صحابۂ کبار و تابعین و تبع تابعین وسلف وخلف صالحین از متقدمین ومتاخرین رضی اللہ عنہم کردہ''۔ (ملا بدایونی۔ منتخب التواریخ)۔

اکبر نے صبر و سکون کے ساتھ ''طعن صریح و ناسزائے قبیح'' کو سنا۔ ملا محمد یزدی نے اپنے دعوؤں کی بنیاد کتب تواریخ پر رکھی تھی۔ وہ کتابیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر ساتھی (رضی اللہ عنہم) ایک دوسرے سے مائل بہ پیکار۔ بلکہ مصروف بہ پیکار نظر آتے ہیں۔ ان دعوؤں کو پرکھنے کے لئے اکبر تاریخ کی طرف متوجہ ہوا۔ طبری اور قدیم تاریخوں میں اسے ایسے بیانات نظر آئے کہ نعوذ باللہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کی داڑھی یوں نوچی یا صحابۂ کرامؓ اس انداز سے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ تاریخیں عجمی سازشوں اور غیر دینی تصورات کا آئینہ ہیں۔ کاش کوئی ان بیانات کی تردید اکبر کے سامنے قرآن کے الفاظ میں کر دیتا کہ ''محمد رسول

اللہ والذین معہٗ.....''۔

رسول اللہ اور وہ قدسی نفس لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفر کے خلاف شدید ہیں اور آپس میں رحیم ہیں' تو اکبر ایسے تاریخی بیانات کی اصل اور جڑ تک پہنچ جاتا۔لیکن یہ نہ ہوا۔جن ارباب عمل وخیر کے بارے میں خدا نے یہ کہا ہو کہ ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے'' اکبر ان تاریخی بیانات کی روشنی میں ان سے بھی بدظن ہو گیا۔

''چوں تاریخ خوانندہ می شد' روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسق شدن گرفت''۔(ملا بدایونی)۔

صوفیوں نے صورت حال کو اور بھی بگاڑ دیا۔''تاج العارفین'' شیخ تاج الدین نے اکبر کو وحدت الوجود کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیا اور قرآن وحدیث کو بازیچۂ تاویل بنا دیا۔ محی الدین ابن العربی' کا اثر شیخ تاج الدین پر بہت گہرا تھا۔ ابن العربی کے انسان کامل کے تصور پر تصرف کرتے ہوئے شیخ تاج الدین نے اکبر اعظم سے کہا کہ بادشاہ وقت انسان کامل ہوتا ہے اور اس کے لئے سجدہ واجب ہے۔ یوں بادشاہ کے حضور سجدہ کی رسم تصوف کے زیر اثر شروع ہوئی اور آج بھی تو ہر جمعہ کو پاکستان کی ننانوے فیصد مساجد میں خطبۂ جمعہ میں یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ ''بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے اور جس نے بادشاہ کی اہانت کی اس نے خدا کی اہانت کی'' (السلطان ظل اللہ علیٰ الارض من اہان السلطان' اہان اللہ) اکبر کے حضور کسی کو یہ حق بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بُتانِ آذری

بادشاہ کے لئے سجدہ کی اس رسم کا سلسلہ آگے بڑھا اور پیر کے حضور مرید کے سجدہ تعظیمی کو سند کا درجہ دیا گیا۔مختلف حلقوں اور دائروں میں مختلف خدا اور سب کی پرستش۔(''تزکیۂ نفس'' یوں ہی ہوسکتا ہے)۔

اکبر ایک سوچنے والی روح کا مالک تھا۔غور وفکر اس کے ذہن کی خوراک تھا۔تعلیم کی کمی یقیناً ایک خطرہ تھی اور اس خطرہ کو علماء کے برتاؤ اور کردار نے ایک حقیقت بنا دیا۔ یہ خطرہ حقیقت کس طرح بنا؟ اس کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ علماء کے جھگڑوں اور فروعی و بنیادی باتوں میں ان کے شدید اختلافات کے باوجود اکبر کے یہاں بعض بنیادی اور حقیقی تصورات موجود تھے مثلاً اس کا عقیدہ تھا کہ ''مذہب'' کی بنیاد عقل و براہین پر ہو۔زبردستی کسی کو مسلمان نہ بنایا جائے (لا اکراہ فی الدین)۔اکبر علماء سے اکثر یہ کہتا تھا کہ ''زبان سے کلمہ پڑھ لینا' ختنہ کرا لینا اور خدا کے حضور سجدۂ بے حضوری کر لینا دین نہیں ہے''۔آج جب اسلام کو بجا طور پر ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھا جاتا ہے' شاید اکبر کی اس بات سے کوئی صاحب فکر انکار نہ کرے۔شعائر دین کی اہمیت اپنی جگہ مسلم' مگر انہیں دین کی اساس تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔اقبالؒ نے بھی تو یہی کہا ہے۔

زباں سے کہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور اکبر نے تو محض ''ختنہ'' ہی کا ذکر چھیڑا تھا' اقبالؒ نے تو انتہائے جرأت سے کام لے کر یہ حقیقت بیان کر دی۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

☆☆☆

علماء کے اختلافات کی طرف اشارے کئے جا چکے ہیں۔ اب ذرا اس عہد کے ''اکابر دین'' کی زندگی پر ایک نظر ڈالئے۔ شیخ الاسلام' مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری' شیخ الاسلام تھے' عہد اکبری کی نہایت ممتاز علمی شخصیت تھے۔ کتنی ہی کتابوں کے مصنف تھے۔ حاشیۂ شرح ملا' منہاج الاصول اور عصمت الانبیاء وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان بزرگ کے کسب زر کے جنون کا یہ عالم تھا کہ خاندانی قبرستان کی قبروں میں مردوں کی جگہ سونے کی اینٹیں دفن تھیں۔ زندگی میں تین کروڑ روپے' نہ جانے کیا کیا جتن کر کے جمع کئے۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے سال کے آخر میں تمام دولت اپنی بی بی کے نام پر ہبہ کرا دیتے۔ مذہب ان کے لئے اقتدار کا وسیلہ تھا۔ جس سے اختلاف ہوتا اسے شرعی حیلوں سے سخت آزار پہنچاتے۔ شیخ علائی کو اتنا پٹوایا کہ وہ جاں بَر نہ ہو سکے۔ شیخ داؤد شیر گڑھی اور دوسو سے زیادہ مسلمانوں کو اسی طرح تکالیف دیں۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے دشمن جانی تھے اور عبداللہ سلطان پوری نے شیخ عبدالنبی کے خلاف یہ فتویٰ دیا کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ اس کے باپ نے اسے عاق کر دیا ہے۔ اب ذرا شیخ عبدالنبی کا وہ قصور بھی سن لیجئے جس کی بنا پر ان کے والد نے انہیں عاق کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ سماع اور قوالی کو جزو دین نہیں سمجھتے تھے۔

اس عہد کے بیشتر علماء کا کردار یہی تھا جس کی مثال ''شیخ الاسلام'' تھے۔ شیخ اکرام صاحب فرماتے ہیں۔ ''اکبر کے علماء سے اختلاف کی وجہ فقط ان کی کوتاہیاں اور قابل اعتراض باتیں نہ تھیں بلکہ ان کی خوبیاں اور ترویج شرع کی کوششیں بھی وجہ مخاصمت ہو گئیں۔'' اکرام صاحب کا یہ تجزیہ نہایت غیر منطقی ہے۔ جب اکبر نے ان علماء کے کردار اور ذہن وفکر کے تاریک ترین گوشے دیکھ لئے تو وہ ان کی کوششوں کو ''ترویج شرع کی کوششیں'' کیسے مان لیتا؟۔ پھر اس دور میں دو خاص فرقوں سے تعلق رکھنا ایسا جرم تھا جس کی بنا پر قتل کی سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ کیا یہی ترویجِ شرع ہے؟ ان علماء نے ایک برہمن کو بہیمانہ طور پر قتل کرا دیا اور اکبر کی ''اسلام'' سے بدظنی بڑھ گئی۔ ظلم کا نام تو اسلام نہیں ہے۔ شیخ اکرام صاحب کے ذہن میں شرع اور اسلامی مملکت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے۔ نام نہاد مذہبی طبقہ تو آج بھی سیکولر نظام حکومت چاہتا ہے یا پھر تھیا کریسی' تاکہ اس کا اقتدار باقی رہے۔ آج علماء کو اگر کسی سرکاری مشاورتی کمیٹی کا رکن بنا لیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ''اسلام'' ہے آزاد۔'' اکرام صاحب جس بات کو ترویج شرع کی کوشش قرار دیتے ہیں' وہ دراصل اقتدار کے حصول کی کاوش تھی۔ بیدار مغز اکبر نے اس سازش کو سمجھ لیا تھا۔ والئ ازبکستان کے نام اپنے ایک خط میں اس نے اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ پیشوایانِ مذہب فرماں روائی میں' میرے شریک بننا چاہتے ہیں۔

''ایں پیشوایان مذہب می خواہند کہ در فرماں روائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند''۔

اکرام صاحب تھیا کریسی کو کس حد تک دینی مملکت سمجھتے ہیں' اس کا اندازہ ان کے اس جملہ سے ہو سکتا ہے۔

''وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اپنے اصولوں پر ملک کا نظم ونسق کرنا' علماء کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی موجودگی میں

ناممکن ہے۔''

اس انتشار اور انارکی کا نتیجہ وہ ہوا جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی اکبر نے جملہ اختیارات خود لے لئے اور علماء سے ایک محضر یا یادداشت پر دستخط کرا لئے گئے۔ دستخط کرنے والوں میں مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری' صدر الصدور شیخ عبدالنبی' سب ہی شامل تھے۔ اس محضر میں ان علماء نے اپنے آپ کو ''جامع فروع و اصول' علمائے عرفاں شعار' فضلائے دقائق آثار' ہادیان بادیۂ نجات'' وغیرہ وغیرہ قرار دینے کے بعد یہ اعلان کیا کہ سلطان عادل کا مرتبہ اللہ کے نزدیک مجتہد سے زیادہ ہے اور اکبر ''اعدل و اعلم و اعقل'' ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است وحضرت سلطان الاسلام کہف الانام۔ امیر المومنین' ظل اللہ علی العالمین' ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر شاہ غازی خلد اللہ مُلکہ' ابداً' اعدل واعلم واعقل باللہ اند۔''

''اس محضر کی رو سے یہ بات طے ہوگئی کہ اختلافی مسائل میں آخری فیصلہ سلطان کا ہوگا اور جو اس فیصلہ کو نہ مانے گا۔ وہ دین اور دنیا دونوں میں نامراد رہے گا۔'' اس محضر کی رو سے فیصلہ کا شرع کے مطابق ہونا لازم قرار دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ اس ''شرع'' سے کیسی ڈھیل ملی۔ کاش شرع کی جگہ ''قرآن'' کا لفظ ہوتا۔ قرآن کے واضح اور جامع احکام کے سامنے اکبر کو سر جھکانا ہی پڑتا۔ شرع کا لفظ اکبر اور ملوکیت کے مفادات کے مطابق تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ کی مرضی کے مطابق علمائے کبار روایتیں اور قول شرعی نقل کرتے۔ شیخ نور الحق محدثؒ مصنف زبدۃ التواریخ نے ان علماء کو اہل ہوا و ہوس اور اکبر کو گمراہ کرنے والا قرار دیا ہے۔

درجۂ اجتہاد اور فارق حق و باطل بننے کے بعد اکبر نے اپنی مخالفت کرنے والے علماء کو جلاوطن کیا' انہیں قتل کرایا اور دوسرے مصائب میں مبتلا کیا۔ یہ باتیں یقیناً نہایت افسوس ناک اور قابل مذمت ہیں مگر کہنا یہی پڑتا ہے کہ

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ابوالفضل نے لکھا ہے کہ کچھ عالموں نے اکبر کو ''مظہر حق'' قرار دے کر الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ ظاہر ہے کہ مظہر حق' جن لوگوں کو سزائیں دے تو وہ سزائیں تقدیر ربانی خود بخود اقرار پائیں گی۔

اکبر اپنے عبادت خانے اور مجالس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے علماء کے ساتھ ساتھ دوسرے ادیان کے عالموں کو بھی بلاتا تھا۔ اسے ادیان کے تقابلی مطالعہ سے دلچسپی تھی۔ اکبر پر مسلمان عالموں کو ایک بڑا اعتراض یہ پیدا ہوا کہ وہ دوسرے ادیان کے علماء کو کیوں بلاتا ہے اور کبھی کبھی مباحثہ میں ان کی حجت کو کیوں قبول کر لیتا ہے' اسے بحث میں جانب داری برتنی چاہئے۔ پرتگیزی پادری کبھی کبھی سفر میں بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ جب اکبر ۱۵۸۱ء میں حکیم مرزا کے تعاقب میں کابل گیا تو یہ پادری اس کے ساتھ تھے۔ پچھلے دنوں ان پادریوں میں سے ایک پادری کی یادداشتوں کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ اکبر نے عیسائیت پر بہت سے اعتراضات کئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) کفارۂ مسیح انسانیت کے گناہوں کو کیسے دور کر سکتا

ہے؟

(۲) عورت گناہ کا سرچشمہ کیوں ہے؟ اور خدا نے گناہ کے سرچشمہ کو تخلیق انسانی کا سرچشمہ کیوں قرار دیا ہے۔

(۳) مسیح ابن اللہ نہیں۔

(۴) یہ بتاؤ کہ تمہاری انجیل اپنی اصل شکل میں کہاں ہے؟۔ اگر عیسائیت سے دنیا کا مستقبل وابستہ ہے تو یہ کتاب مسخ کیوں ہوئی اور کیوں محفوظ نہ رہی۔

عیسائیوں نے کہا کہ ''انجیل میں غذائے روحانی ہے۔'' اکبر نے جواب دیا۔ ''جس میں جسم کی نشوونما کا بھی سامان نہیں' اس سے روح کو غذا کیسے مل سکتی ہے۔''

وہ اکبر جس کے الحاد کو معلوم حقیقت کی طرح دہرایا جاتا ہے اور جس کا نام یاروں نے داخل دشنام کر دیا ہے' وہ عیسائی پادریوں کے مقابل ''علمائے اسلام'' سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ علمائے اسلام مباحثوں میں عیسائی پادریوں سے پہلے بھی ہار چکے تھے۔ جب کابل کی لشکرکشی کے بعد اکبر ''دارالخلافہ'' واپس آیا تو علماء نے پادریوں سے پھر بحث کرنی چاہی۔ اکبر گریز کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ عالم ہار جائیں گے۔ آخر مباحثہ ہوا اور علماء کی شکست کے بعد اکبر نے پادریوں سے ایسی بحث کی کہ وہ مایوس ہوکر چلے گئے۔

☆☆☆

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے کئی باتیں ابھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ اکبر اسلام کا دشمن نہ تھا' وہ علماء کی ہوس اقتدار کا دشمن تھا۔ عیسائیت پر اس کے اعتراضات سے اس کی فکر کا ایک واضح خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ انجیل کے مسخ ہونے پر اس کے اعتراض کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسلام کو انسانیت کا مستقبل جانتا تھا' کیوں کہ قرآن اپنی حقیقی اور اصلی صورت میں محفوظ ہے۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ اکبر کو ملحد اور کافر کن باتوں کی بنا پر کہا گیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کے الحاد پر یہ دلیلیں پیش کی ہیں۔

(۱) مملکت میں گاؤکشی بند ہے۔

(۲) لوگ داڑھی منڈاتے ہیں۔

اس کے الحاد کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے دولہا دلہن کے بارے میں تحقیقات کے لئے ایک محکمہ قائم کیا۔ ''علماء'' جب بھی کسی کو کفر کے فتاویٰ کا ہدف بنائیں تو آپ یقین کر لیں کہ وہ شخص ''جنسی میدان'' میں ان کی ''شرعی آزادی'' کا مخالف ہو گا۔ اس محکمہ کا مقصد یہ تھا کہ نابالغوں کی شادی کو روکا جائے۔ دلہن کی مرضی کا اندازہ ہو سکے۔ ''غیرضروری تعدداز واج'' کو روکا جا سکے۔ قرآن نے واضح طور پر بلوغ کو شادی کے لئے شرط لازم قرار دیا ہے اور تعدداز دواج کی بحث چھیڑنے کا یہ موقع نہیں۔ اس باب میں قرآن کے موقف اور احکام سے قارئین طلوع اسلام اچھی طرح واقف ہیں۔

ایک طرف ملا صاحب' اکبر کو کافر اور ملحد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اپنے آخری دور میں اکبر نے قلعۂ لاہور میں دیوان عام کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بنوادی تاکہ جو لوگ اہم سرکاری کاموں میں مصروف ہوں' وہ نماز پڑھنے کے لئے شہر نہ جائیں (تاکہ وقت ضائع نہ ہو) اور قلعہ کی مسجد میں نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ اکبر

کے اس حکم کا بھی تمسخر اڑایا گیا۔ علماء کو اپنے اختیارات چھننے کا شدید کرب تھا اور وہ حرکات مذبوحی میں مبتلا تھے۔ آج بھی ''دین'' کا نام لے کر لوگ اپنے فرائض منصبی سے بھاگتے ہیں۔ ایک بار مجھے ایک چیک کی ادائیگی کے سلسلہ میں اے۔جی۔پی۔آر کے دفتر جانے کا اتفاق ہوا۔ میں دو بجے پہنچا تھا' معلوم ہوا کہ فرد متعلقہ ظہر کی نماز پڑھنے گیا ہے۔ میں انتظار کرتا رہا اور وہ چار بجے شام تک واپس نہ آیا۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ اِنہیں احکام و اصلاحات کو یاروں نے اکبر کا دعویٰ نبوت قرار دے دیا۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونی' دعویٰ نبوت کیا' مگر یہ لفظ منہ سے نہ نکالا۔

''روشِ خود را بتوحید الٰہی موسوم ساختند''

ملا صاحب نے ''روش'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شیخ اکرام صاحب کی تحقیق کے مطابق دین الٰہی کی اصطلاح پہلی بار اکبر کی وفات کے ۶۵ سال بعد ''دبستانِ مذاہب'' میں استعمال کی گئی اور انگریز مؤرخوں نے اس اصطلاح کو رائج کر دیا۔

اکبر کے الحاد کو شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کی صحبت کا نتیجہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں پر بہت سے الٹے سیدھے الزامات لگائے گئے ہیں مثلاً ابوالفضل منکر وحی تھا۔ یہ الزام یکسر غلط ہے ابوالفضل نہایت پابندی کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتا تھا۔ فیضی نے تو تفسیر قرآن لکھی ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ دونوں بھائی جبرئیل کے خارجی وجود سے منکر تھے' انہیں کافر نہیں بنا دیتی۔ جبرئیل کو تو شیخ محبّ اللہ الہ آبادی جیسے عظیم عالم نے عہد شاہجانی میں ''رسولوں کی قوائے ملکوتی میں سے ایک قوت قرار دیا تھا۔ وہ آج رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور یہ دونوں کافر ٹھہرے اور تو اور علمائے متاخرین میں نواب صدیق حسن (والیۂ) بھوپال کے شوہر کے مرتبہ سے کون انکار کرے گا' وہ اہل حدیث فرقہ کے اکابرین میں سے ہیں۔ انہوں نے بھی فرشتوں کو اللہ کی کائناتی قوتوں سے تعبیر کیا ہے۔

میں اکبر کو یکسر معصوم قرار نہیں دیتا۔ بادشاہوں کا احترام کوئی مسلمان قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں نہیں کر سکتا۔ اکبر ملوکیت کا صیدِ زبوں تھا۔ پھر ملوکیت کے نمائندے کی حیثیت سے ملائیت کا مقابلہ کیا۔ یہ بات ضرور عجیب ہے ورنہ ملوکیت کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ملائیت' ہمیشہ ملوکیت کے استحکام کا آلۂ کار بنتی ہے۔ اکبر کے دور میں ملائیت نے بغاوت کی اور اکبر نے اسے کچل دیا' پھر ملائیت ملوکیت کے مفادات کی تکمیل ازمنۂ سابقہ کی طرح کرنے لگی۔ عہد اکبری میں بہت سی باتیں قرآن و اسلام کے یکسر خلاف تھیں۔ یہ بدعتیں کفر کی حدود میں داخل ہیں۔ مثلاً آفتاب پرستی (اس کے لئے دلیل سورۂ الشّمس سے لائی گئی تھی)' دیوالی کے موقع پر گائے منگانا اور انہیں آراستہ کرنا وغیرہ۔۔لیکن جو باتیں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں' ان کی روشنی میں یہ سوچئے کہ اگر اکبر ملحد تھا تو اس کے الحاد کو آپ کس کے نامۂ اعمال میں لکھیں گے؟

☆☆☆

طلوع اسلام: ہندوستان کی تاریخ میں اکبر کی شخصیت بڑی متنازعہ فیہ ہے۔ اس کی طرف جتنی باتیں منسوب کی جاتی ہیں' مؤرخین ان پر آج تک متفق نہیں ہو سکے۔ اگر کوئی ان کی تائید کرتا ہے تو دوسرا ان کی تردید کرتا ہے' ہم اس وقت اس تاریخی

بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ لیکن ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ کشفی صاحب نے لکھا ہے کہ علماء نے جو محضر مرتب کیا تھا' اس کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ اختلافی مسائل میں آخری فیصلہ سلطان کا ہوگا اور اس فیصلے کا شرع کے مطابق ہونا لازم قرار دیا گیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر ''شرع'' کی جگہ ''قرآن'' کا لفظ ہوتا تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس محضر میں ''شرع'' نہیں بلکہ قرآن ہی لکھا گیا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے ملا بدایونی کی ''منتخب التواریخ'' نہیں کہ ہم اس کے الفاظ پیش کر سکتے۔ لیکن اکرام صاحب نے اپنی کتاب (The History of Religion) کے صفحات ۲۴۷۔۲۴۸ پر اس پورے محضر کا انگریزی ترجمہ دیا ہے۔ اس کی رو سے محضر میں یہ کہا گیا تھا کہ:

> اگر اس کے بعد کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس میں مجتہدین کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور سلطان اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر رعایا کی بہبود اور سیاسی مصالح کے پیش نظر ان باہمدگر' متعارض ومتضاد آراء میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کے مطابق احکام صادر کر دے تو ان احکام کی اطاعت ہم پر اور تمام رعایا پر فرض ہوگی۔ نیز اگر سلطان کوئی نیا حکم جاری کرنا چاہتے تو ہم پر اور دیگر رعایا پر اس کی اطاعت بھی فرض ہوگی۔ بشرطیکہ وہ حکم قرآن پاک کی آیات کے مطابق ہو۔ اور اس سے مقصد رعایا کی بہبود ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کے فیصلے کو قرآن کی حدود میں مقید کیا گیا تھا اور یہ چیز عین اسلام کے مطابق ہے۔ علماء اور فقہاء کی بحث میں فیصلے کا حق رئیس مملکت کو حاصل ہونا اسلام میں قانون سازی کے اصول کے عین مطابق ہے۔ اسلام میں علماء یا کسی اور کو قاضی کا منصب حاصل نہیں ہوتا۔ علماء کی حیثیت محض وکیل یا مشیر کی ہوتی ہے۔ فیصلہ کا اختیار یا تو مملکت کی طرف سے مقرر کردہ جج کو حاصل ہوتا ہے یا خود مملکت کی مرکزی اتھارٹی کو۔ اور ان کا یہ اختیار مشروط ہوتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کا فیصلہ قرآن کے خلاف نہیں ہوگا۔ اکبر کا فیصلہ ان دونوں شرطوں کو پورا کرتا ہے اور اسلام کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) نے ''تذکرہ'' میں لکھا تھا کہ:

> یہ مسلک بالکل درست تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت' ارباب حل وعقد اور ان کے مشیروں کو ہر زمانے میں اور ہر وقت اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ اسلام پر جو اس قدر تباہیاں آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد کے اس حق سے انکار کر دیا گیا۔ (بحوالہ محمد اکرام' ص ۲۴۸)۔

علماء نے اکبر کے خلاف جو طوفان برپا کیا تھا اور ملک میں بغاوتیں کرا دی تھیں اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ وہ انہیں ان کے صحیح مقام پر رکھنا چاہتا تھا۔ اور انہوں نے جس انداز کی تھیا کریسی قائم کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا وہ اسے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ یہ چیز اکبر کے دور کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ تاریخ میں جس شخص نے بھی یہ کوشش کی کہ علماء کو ان کے مقام سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے) انہوں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طاؤس ورباب آخر!

(جہاندار شاہ سے محمد شاہ تک)

(ماہنامہ نگار (پاکستان) کی فروری ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں جناب نیاز فتحپوری کے قلم سے ذیل کا مقالہ شائع ہوا تھا اس پر ہمارا تبصرہ آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ طلوع اسلام)

کس قدر عجیب بات ہے کہ مغلیہ حکومت ڈیڑھ سو سال میں انتہائی عروج تک پہنچی اور ٹھیک اتنی ہی مدت میں وہ زوال پذیر ہو کر ختم ہوگئی۔ یعنی اکبر اعظم سے لے کر وفات اورنگ زیب (۱۵۵۶ء سے ۱۷۰۷ء) تک پورے ڈیڑھ سو سال وہ برابر ترقی کرتی رہی اور اس کے بعد (۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک) اتنی ہی مدت میں اس کی بساط ہمیشہ کے لئے الٹ گئی۔ اس وقت میرا مقصود مغلیہ عروج و زوال کی تاریخ پیش کرنا نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ اسباب زوال کیا تھا؟ اور ان کا آغاز کب ہوا۔ اورنگ زیب کے انتقال (۱۷۰۷ء) کے بعد سے محمد شاہ کی تخت نشینی (۱۷۱۹ء) تک حکومت مغلیہ سخت انتشار و اضطراب میں مبتلا رہی۔ شہزادوں کی باہمی خوں ریزیاں، وزراء کی سازشیں، سید برادران کا مستبدانہ اقتدار، ایسٹ انڈیا کمپنی کی چالیں، مرہٹوں کا زور، ان سب نے مل کر بارہ سال کے اندر حکومت آل تیمور کی چولیں ہلا دیں۔ خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اس کا مداوا نہ ہوسکتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہوا یہ کہ اسی زمانے میں ''طاؤس و رباب'' کا بھی دخل دربار میں ہوگیا اور حکومت کے ساتھ عقل و ہوش کا بھی سودا ہوگیا۔ اورنگ زیب کے بعد اس کا بیٹا محمد معظم (بہادر شاہ) تخت نشین ہوا اور پانچ سال تک سخت آپا دھاپی میں مبتلا رہا۔ ظاہر ہے کہ اس دور اضطراب میں عیش و عشرت کا سوال کوئی معنی نہ رکھتا تھا لیکن حیرت کی بات ہے کہ جب اس کا بیٹا جہاندار تخت نشین ہوا تو اس نے انحطاط عمر کے باوجود صرف ۹ ماہ کی حکومت میں اورنگ زیب کی تمام روایات زہد و تقویٰ کو یک لخت خاک میں ملا دیا اور بادہ نوشی و شاہد پرستی کی وہ روایات اپنے بعد چھوڑ گیا جن کو سن کر حیرت ہوتی ہے۔ جس حد تک حکومت کے نظم و انصرام کا تعلق تھا وہ تو اس نے اپنے وزیر ذوالفقار خاں کے سپرد کر دیا اور جس حد تک اس کی ذات، اس کے دربار، اور اس کے مشاغل زندگی کا تعلق تھا وہ صرف لال کنور کی آغوش تک محدود تھے۔ یا ان مجالس بادہ نوشی تک جو اس کی غایت زندگی ہو کر رہ گئے تھے۔ لال کنور ایک کسبی کی لڑکی تھی۔ بڑی خوش رو،

بڑی خوش گلو اور حد درجہ چنچل جس کا تعارف اس کی ماں شیریں لقا کے نام سے کیا کرتی تھی۔ لال کنور کا گھر مرکز تھا تمام شہزادوں اور امراء زادوں کا اور لال کنور کے مصنوعی التفات نے سبھی کو دیوانہ بنا رکھا تھا لیکن اسکی ماں کا مقصود تو ایسا شکار ڈھونڈھنا تھا جو سب سے زیادہ فربہ نظر آئے۔ اس لئے ان تماشبینوں میں اس نے جہاں بخت کا انتخاب کیا جو جہاندار شاہ کا ماموں زاد بھائی بھی تھا اور فی الجملہ طرحدار بھی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ دوسرے عشاق کو جواب دے دیا گیا اور لال کنور' جہاں بخت کی مستقل داشتہ ہوگئی۔ اس کے بعد جہاندار شاہ نے لال کنور کے حسن و جمال کا ذکر سنا تو وہ غائبانہ عاشق ہوگیا اور اس کے حوارئین نے لال کنور کی ماں سے گفت وشنید شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس زریں موقع کو کیوں ہاتھ سے جانے دیتی اس لئے اس نے ایک کثیر رقم پر سودا کر لیا اور لال کنور ایک رات خفیہ طور پر محل کے اندر پہنچا دی گئی۔ جہاں بخت بھی معمولاً رات ہی کو آیا کرتا تھا اس نے اس سے آتے ہی پوچھا کہ لال کنور کہاں ہے۔ اس کی ماں جس نے پہلے ہی سے سب تدابیر پر غور کر لیا تھا۔ حد درجہ سوگوارانہ انداز میں زار و قطار روتے ہوئے کہا کہ ''وہ تو کل ہی درد قولنج میں مبتلا ہو کر دفعتاً مر گئی اور شاہ نظام الدین میں دفن کر دی گئی۔'' جواں بخت جسے پہلے ہی تمام حالات معلوم ہو چکے تھے بپھر گیا اور بولا کہ تو جھوٹ بولتی ہے۔ لال کنور کو تو نے محل پر بھیج دیا ہے اور مجھ سے یوں باتیں بناتی ہے۔''

اس نے قسمیں کھانا شروع کیں۔ اور جہاں بخت کا غصہ بھی اسی نسبت سے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے پیش قبض نکال کر اسے قتل کر دیا۔ یہ بات ایسی نہ تھی کہ چھپی رہتی۔ آناً فاناً شہر کے کونہ کونہ میں خبر پہنچ گئی اور لال کنور نے روتے روتے برا حال کر لیا۔ جہاندار شاہ کو صدمہ لال کنور کی ماں کے قتل ہونے کا نہ تھا بلکہ صرف اس بات کا کہ وہ لال کنور کو سوگوار نہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ خود بے دست و پا تھا اور ذوالفقار خاں وزیر پر اس کا قابو نہ تھا۔ اس لئے جہاں بخت کے خلاف قانونی چارہ جوئی یا گیرودار مناسب نہ سمجھی۔ لیکن چند دن بعد جہاں بخت کو بھلاوے میں ڈال کر زہر سے ہلاک کرا دیا۔ اس کے بعد جہاں دار شاہ کی زندگی کا مشغلہ اس کے سوا کچھ نہ رہا کہ وہ ہر وقت نشۂ شراب میں بدمست لال کنور کی آغوش میں پڑا رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دربار پر ڈوم ڈھاری چھا گئے اور لال کنور کے اعزہ کا عروج شروع ہوا یہاں تک کہ اسے امتیاز محل کے لقب سے سرفراز کیا گیا اور اس کے ایک بھائی خوشحال خاں کو ہفت ہزاری امیر بنا دیا گیا اور دوسرے بھائی کو پنج ہزاری۔ لال کنور کے اقتدار و عروج کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جسے مصنف تذکرۂ عالم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''ایک دن جہاندار شاہ اپنا سر شیریں لقا کے زانو پر رکھے پڑا تھا۔ اس کی جوانی کی سرخی' شراب ارغوانی کی جھلک' چاروں طرف پھولوں کے ڈھیر' عطر کی لپٹیں! اسی عالم سرور و نشاط میں' شیریں لقا نے جہاں دار شاہ سے عرض کیا کہ یوں تو جہاں پناہ کی تمام نوازشیں مجھے حاصل ہیں لیکن دو وعدے اب تک پورے نہیں ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ وعدے کیا ہیں مجھے بتاؤ میں ابھی ان کو پورا کروں گا۔ اس نے کہا ایک وعدہ تو

یہ تھا کہ شاہی سکہ میں میرا نام درج کیا جائے گا اور دوسرے یہ کہ تمام شہزادوں کی آنکھیں نکلوا لی جائیں گی۔ یہ سن کر جہاندار شاہ نے اسی وقت جلاد کو بلایا اور راتوں رات شہزادوں کی آنکھیں نکلوا دیں۔ جہاندار شاہ کی گیارہ بارہ بیگمیں تھیں، لیکن انہی میں ایک شریف راجپوتنی بھی تھی، سردار جے سنگھ کی بیٹی، جو پہلے نائب خزانچی تھا اور پھر پنج ہزاری امیر ہو گیا تھا۔ اس بیگم کا نام انوپ بائی تھا۔ اور لقب فخر النسا۔ چونکہ یہ ایک شریف خاندان کی لڑکی تھی اور اسے شیریں لقا کی بے حیائیاں پسند نہ تھیں۔ اس لئے ایک رات اس نے جہاں دار شاہ اور اس کی محبوبہ پر دھاوا بول دیا اور ٹھیک اس وقت جب دونوں نشۂ شراب میں سرشار تھے تلوار کھینچ کر ان کے سروں پر پہنچ گئی۔ جہاں دار شاہ گھبرا گیا اور پوچھا یہ کیا قصہ ہے اس نے کہا قصہ صرف یہ ہے کہ آپ اس کسبی کو محل سے نکال دیں ورنہ میں اسے زندہ نہ رہنے دوں گی۔ بادشاہ نے ڈر سے وعدہ کر لیا لیکن انوپ بائی نے کہا کہ آپ کے وعدہ کا اعتبار نہیں۔ مجھے تو اس کی ناک کاٹ کر اتنا بدصورت بنا دینا ہے کہ آپ اس کی طرف مائل ہی نہ ہوں۔ جہاں دار شاہ نے کہا کہ میں یہ بات ہرگز نہ ہونے دوں گا۔ لیکن انوپ بائی تہیہ کر چکی تھی۔ اس لئے اس نے آگے بڑھ کر لال کنور کی چوٹی پکڑی اور اسے زمین پر گرا کر اس کی ناک کاٹ لی۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد انوپ بائی محل میں نہ رہ سکتی تھی۔ اس لئے محل سے نکل کر اپنے باپ جے سنگھ کے پاس پہنچی اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد دونوں فرخ سیر کے پاس چلے گئے۔ جہاں دار شاہ کی ایک اور بیگم مہر النساء بھی تھی۔ یہ ایک لونڈی تھی کر دنسل کی جسے دس ہزار میں خریدا گیا تھا۔ ایک دن اپنی دادی کی دعوت میں وہ کھانا کھا رہا تھا اور یہ کنیز مورچھل جھل رہی تھی کہ دفعتاً جہاں دار شاہ کی نگاہ اس پر پڑ گئی اور کھانے کے بعد ہی محافہ میں سوار کرا کے محل میں پہنچا دی گئی۔ چونکہ کر د خاندان کی لڑکی تھی اس لئے جہاں دار شاہ کے اطوار دیکھ کر اس سے بدظن ہو گئی اور اس نے ذوالفقار خاں وزیر سے ساز باز کر کے جہاں دار شاہ کو معزول کرا دینا چاہا۔ اتفاق سے اس کا علم جہاں دار شاہ کو بھی ہو گیا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر پیش کیا جائے۔ لیکن جب جلاد اس کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ پہلے ہی اپنے گلے میں رسی ڈال کر ختم ہو چکی ہے۔ یہ تھا رنگ جہاں دار شاہ کی حکومت کا جس نے سب سے پہلے اپنے مغلیہ خاندان میں شراب خوری اور فحاشی کو رائج کیا اور صرف ۹ مہینے حکومت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے فرخ سیر کے ہاتھ سے وہ قتل ہوا۔ جہاں دار شاہ کی رنگ رلیوں کی داستان آپ سن چکے لیکن یہ بدعت اس کے بعد بھی بدستور جاری رہی اور بڑھتے بڑھتے محمد شاہ کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ جب جہاندار شاہ کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا فرخ سیر تخت نشین ہوا تو ملک کی اندرونی حالت بہت خراب تھی اور تمام وہ فتنے جو اس سے پہلے رونما ہو چکے تھے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے امراء کی باہمی رقابت و سازش۔ سکھوں اور مرہٹوں کی لوٹ مار، سید برادران کی چالیں، یہ سب مل کر حکومت کو تباہ کرتی جا رہی تھیں۔ لیکن فرخ سیر کو مطلق اس کا احساس نہ تھا۔ جہاندار نے جس انداز زندگی کا آغاز کیا تھا وہی بدستور عہد فرخ سیر میں بھی جاری رہی اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ وہ ۳۰

سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ چھ سال ۴ ماہ حکومت کی۔ اور فروری ۱۷۱۹ء میں سید حسین علی خاں نے اسے قتل کر دیا۔ اس دردناک واقعہ کا ذکر حسن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''جب شہر میں وزیر قطب الملک کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو سید حسین علی خاں نے فیصلہ کر لیا کہ اب فرخ سیر کو ختم ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ نجم الدین خاں (قطب الملک کا بھائی) بہ جبر محل شاہی میں داخل ہوا اور عورتوں کو مار پیٹ کر معلوم کیا کہ بادشاہ کہاں چھپا ہے۔ اس وقت محل میں کہرام برپا تھا۔ عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں' سینہ کوٹ رہی تھیں' لیکن سننے والا کوئی نہ تھا۔ بادشاہ کو پکڑ کر حجرہ سے باہر لے آئے اور اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور اس کے بعد تر پولیہ کی ایک تنگ کوٹھڑی میں اسے قید کر دیا اور گردن میں تسمہ ڈال کر نہایت بے دردی سے گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔ فرخ سیر کے زمانے میں ملک جس اضطراب و انتشار کا شکار تھا اس کی داستان بہت طویل ہے۔ لیکن اس وقت ہمارا مقصود اس عہد کے تاریخی و سیاسی حالات پر روشنی ڈالنا نہیں ہے۔ اس لئے اس سے قطع نظر صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ رندی و عیاشی کی وہ زندگی جس کا آغاز جہاندار شاہ نے کیا تھا فرخ سیر کا بھی معمول رہی۔ اور آخر کار شاہد و شراب کی رفاقت نے اس کی بھی جان لی۔ فرخ سیر کی بھی کئی بیگمیں تھیں۔ (۱) شانتی کماری' راجہ اجیت سنگھ والیٔ مارواڑ کی بیٹی جسے گیتی آرا بیگم کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ یہ شادی خود راجہ کی تحریک و خواہش کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ اس طرح وہ فرخ سیر کو خوش کر کے اپنے رجواڑے کا وہ حصہ جو حکومت دہلی میں شامل ہو گیا تھا واپس لینا چاہتا تھا اور وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا۔ اس شادی میں فرخ سیر نے بے دریغ دولت صرف کی جس کا حکومت کے مالیات پر بہت برا اثر پڑا۔ اور عبداللہ خان کی گرفت زیادہ مضبوط ہو گئی۔ لیکن خود شانتی کماری اپنی جگہ بڑی باعزت اور ہوش و گوش والی عورت تھی۔ اس کے ساتھ وہ غیر معمولی حسین بھی تھی۔ سنسکرت اور ہندی ادبیات پر بھی اسے بڑا عبور تھا اور اسی حد تک شجاع و دلیر بھی تھی۔ شادی کے بعد فرخ سیر اس کا غلام ہو گیا اور اس کے عشق میں ساری دنیا کو بھول کر مے خواری اس کا شب و روز کا مشغلہ ہو گیا۔ شانتی کماری نے بہت کوشش کی کہ وہ لہو و لعب اور رقص و سرود سے ہٹ کر امور سلطنت کی طرف بھی متوجہ ہو۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور سید برادران کا اقتدار برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن جب کہ وہ نشہ شراب میں بدمست تھا انہوں نے محل کو گھیر لیا اور مقابلہ شروع ہوا۔ فرخ سیر کو کیا ہوش تھا کہ وہ سامنے آتا۔ لیکن شانتی کماری نے البتہ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فرخ سیر پر نثار ہو گئی۔ (۲) احمد النساء بیگم۔ یہ عبداللہ خاں کی بھانجی تھی اور بڑی شائستہ اطوار خاتون تھی۔ عبداللہ خان نے یہ شادی اس لئے کر دی تھی کہ ممکن ہے بادشاہ سنبھل جائے اور اس کے مشاغل لہو و لعب کم ہو جائیں' لیکن یہاں تو ادبار کا بھوت سر پر سوار تھا۔ احمد النساء بیگم جتنا سمجھاتی وہ اتنی ہی اس کی مخالفت کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اس سے بیزار ہو گیا اور عبداللہ خان کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بھانجی کو بلا لے ورنہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ اس کے ساتھ اس نے احمد النساء بیگم کو محل سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور اس نے اس بے عزتی کو گوارا نہ کر کے خودکشی کر لی۔ (۳) گوہر۔ یہ ایک معمولی سپاہی عظمت

خاں کی بیوی تھی، جس کو دیکھ کر فرخ سیر فریفتہ ہو گیا اور عظمت خان کو حکم دیا کہ اسے طلاق دے دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے حکم سے سرتابی بجائے خود ایک بڑا جرم تھا۔ اس لئے اس کو بند کر دیا گیا اور گوہر کو بہ جبر محل میں داخل کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے جب بدنامی زیادہ بڑھی تو عبداللہ خان کی سفارش پر عظمت خاں کو تو چھوڑ دیا لیکن اس کی بیوی بدستور محل کے اندر ہی رہی اور اس وقت تک اپنے اصلی شوہر سے نہ مل سکی، جب تک فرخ سیر قتل نہیں ہو گیا۔ (۴) فرخ سیر کی وہ بیگم جس نے اسے بالکل تباہ کر دیا۔ یہ ایک بازاری عورت تھی جو غیر معمولی حسین ہونے کے علاوہ رقص و نغمہ کی بھی بڑی ماہر تھی۔ بڑے بڑے امراء کے ہاں اس کا ناچ مجرا ہوا کرتا تھا۔ فرخ سیر کو جب اس کا علم ہوا تو محل میں طلب کیا اور کئی دن تک شراب میں مست ناچ رنگ دیکھتا رہا۔ فرخ سیر نے اس سے محل میں آ کر رہنے کو کہا اس نے انکار کر دیا اور بولی کہ میں کسی کی پابند ہو کر نہیں رہ سکتی۔ لیکن یوں جب بھی مجھے یاد کیا جائے گا، حاضر ہو جاؤں گی۔ اس طرح محل میں اس کا آنا جانا شروع ہوا اور فرخ سیر کی فریفتگی بڑھتی رہی۔ اس عورت کا منظور نظر ایک حبشی غلام تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے عالم سرمستی میں اپنا نولکھا ہار اس غلام کو دے دیا لیکن جب وہ اسے فروخت کرنے کے لئے بازار گیا تو پکڑا گیا اور اس کسبی کی گرفتاری کا حکم کوتوال نے دے دیا۔ یہ گھبرا کر محل میں آ گئی اور ایک مہینے تک یہیں رہی۔ بادشاہ نے حبشی غلام کو بھی رہا کرا دیا اور وہ بھی محل میں آنے جانے لگا۔ ایک رات جب کہ بادشاہ غافل و مدہوش تھا وہ اپنے غلام کے ساتھ محل سے بھاگ گئی اور پھر پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی۔ بادشاہ کو اس کی مفارقت کا اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا پینا ترک کر دیا لیکن چند دن بعد پھر وہی رنگ رلیاں شروع ہو گئیں۔ فرخ سیر کے بعد سید برادران نے دو شہزادے یکے بعد دیگرے تخت نشین کئے لیکن یہ تخت نشینی برائے نام تھی۔ سارا اختیار سید برادران کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں ایک شہزادے کا نام رفیع الدرجات تھا۔ دوسرے کا نام رفیع الدولہ۔ رفیع الدرجات، بہادر شاہ کا پوتا تھا اور تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ لیکن حرم کی عیاشانہ زندگی اور کثرت مے خواری کی وجہ سے وہ عرصہ سے سل کے مرض میں مبتلا چلا آ رہا تھا۔ اس لئے تخت نشینی کے چار ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا چھوٹا بھائی رفیع الدولہ جانشین ہوا اور تین ماہ بعد پندرہ سال کی عمر میں یہ بھی مر گیا۔ یہ حضرت ۱۳ سال کے بھی نہ تھے کہ سات آٹھ بیگموں کے شوہر ہو چکے تھے۔ جن میں سرہندی بیگم اور فتحپوری بیگم بھی تھیں۔ فتحپوری بیگم سے عالم شیر خوارگی ہی میں شادی ہو چکی تھی اور سرہندی بیگم سے بارہ سال کی عمر میں۔ اس کا مشغلہ زندگی بھی مے خواری اور رقص و سرود کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ وہی محمد جس کے زمانہ میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے دہلی کو تاراج کیا۔ جس نے ۳۰ سال حکومت کی اور اتنا جی کھول کر داد عیش دی کہ رنگیلے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ جب کوئی تاجر دہلی آتا تو بادشاہ کے حضور میں اشرفیوں کی نذر پیش کرتا۔ لیکن محمد شاہ کے عہد میں اشرفیوں کی جگہ خوبصورت لونڈیاں پیش ہونے لگیں۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں ایک تاجر

آیا اور کسی گوجر کی ایک لڑکی اپنے ساتھ لایا جس کے حسن کی سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ بادشاہ نے دیکھا تو وہ اس قدر فریفتہ ہوئے کہ ایک لاکھ اشرفی میں اسے مول لے لیا۔ اور ساری دنیا کو بھول گئے۔ اس لڑکی کا اقتدار اتنا بڑھا کہ ممکن نہ تھا کہ کوئی فرمائش کرے اور پوری نہ ہو۔ ایک مرتبہ اس نے گرمی کے زمانے میں لال قلعہ سے قطب صاحب جانے کا فیصلہ کیا تو یہاں سے وہاں تک دو رویہ خس کی ٹٹیاں لگائی گئیں۔ فوارے نصب کئے گئے۔ رومی مخمل کا فرش بچھایا گیا۔ اور عطر کا چھڑکاؤ ہوا جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ محمد شاہ کس درجہ عیش پسند انسان تھا اور مسلسل ۳۰ سال تک اس نے کتنی دولت ان عیاشیوں میں صرف کی ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

طلوع اسلام: یہ مختصر سا مضمون بڑا معلومات افزا اور عبرت انگیز ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک نکتہ ایسا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ارباب اقتدار کی عیش پرستیاں حکومت کے زوال کا باعث ہوتی ہیں لیکن کسی سلطنت کے زوال اور سقوط کا یہی واحد سبب نہیں ہوتا۔۔ بلکہ یہ بنیادی سبب بھی نہیں ہوتا۔ سلطنت کی بقا اور فنا کا بنیادی طور پر دارومدار اس نظام پر ہوتا ہے جس کے مطابق وہ سلطنت قائم ہوتی اور اپنا کاروبار چلاتی ہے۔ اگر وہ نظام باطل کی بنیادوں پر استوار ہے تو وہ سلطنت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ خواہ اس کے چلانے والے ذاتی طور پر کتنے ہی نیکوکار اور پاکباز کیوں نہ ہوں۔ دنیا میں بدترین نظام حکومت' ملوکیت ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔ ملوکیت کے معنی یہ ہیں کہ ایک انسان (یا دور حاضرہ میں' ''چہرہ'' کی تبدیلی سے' انسانوں کی کوئی جماعت) دوسرے انسانوں پر اپنا حکم چلائے اور پھر یہ اقتدار بغیر جوہر ذاتی کے آگے منتقل ہوتا چلا جائے۔ ملوکیت کے نظام کی بنیاد میں (بقول غالبؔ) خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے جو اسے تباہی سے بچا نہیں سکتی۔ تاریخ تہذیب کا مشہور مورخ برفا (Briffault) اپنی کتاب (The Making of Humanity) میں سلطنت روما کے زوال پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:

> انسانی ہیئت اجتماعیہ کا کوئی نظام جس کی بنیاد باطل اصولوں پر ہو کبھی قائم نہیں رہ سکتا خواہ اس نظام باطل کو کیسے ہی تدبر اور دانشمندی سے کیوں نہ چلایا جائے۔ اس کی بنیادی کمزوری' خارجی نظم وضبط اور ادھر ادھر کی جزئی مرمت سے کبھی رفع نہیں ہوسکتی۔ جب تک اس کی اصل باقی ہے اس کے لئے تباہی مقدر ہے۔ روما کی سلطنت' عام انسانوں کی لوٹ کھسوٹ سے ایک خاص جماعت کو متمول بنانے کا ذریعہ تھی۔ انہوں نے ''سوداگری'' کو نہایت قابلیت اور تدبر' خلوص اور دیانتداری سے چلایا۔ لیکن حسن انتظام کی یہ تمام خوبیاں بنیادی باطل کو اس کے فطری نتائج سے نہ بچا سکیں۔ غلط بنیادوں کے اثرات بلا رو رعایت نتیجہ خیز ہوکر رہے۔ (ص ۱۵۹)۔

ہماری کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ ہم اپنی تاریخ میں نظام تمدن و معیشت و سیاست کو نہیں دیکھتے اور پرکھتے۔ بلکہ ہماری نگاہیں افراد تک پہنچ کر رک جاتی ہیں۔ اگر کوئی بادشاہ نمازی اور

پرہیز گار ہے تو ہم اس کی حکومت کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر اس میں ذاتی خرابیاں ہیں تو ہم اس کی سلطنت کو ہدف طعن و تشنیع قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ باطل کی بنیادوں پر متفرع نظام کبھی مستحق تبریک وستائش نہیں ہوسکتا خواہ اس کے ارباب حل وعقد ذاتی طور پر کتنے ہی نیک اور پاکباز کیوں نہ ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ارباب حکومت کا ذاتی کیریکٹر بڑا بلند ہونا چاہئے لیکن ان کی ذاتی نیکیاں' باطل کے نظام کی خرابیوں کا کفارہ نہیں بن سکتیں۔ سلطنت مغلیہ کی تباہی کا باعث اورنگ زیب کے بعد کے حکمرانوں کی عیش سامانیاں ہی نہ تھیں۔ اس کی بنیادی وجہ خود ملوکیت کی بنیادی خرابی تھی۔ اس سے پہلے حکمرانوں کے حسن تدبر نے اسے سہارا دئے رکھا لیکن ملوکیت کی خرابیوں کا وزن بڑھتا چلا گیا اور بالآخر یہ عمارت خود اپنے بوجھ سے نیچے آ گری۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ (مثلاً) اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے بعد جو کچھ کیا تھا اس سے اس سلطنت کی تباہی کے اسباب میں اضافہ نہیں ہوا تھا اور کیا اس کا نماز' روزہ ان خرابیوں کا کفارہ بن سکتا تھا؟ اس کے زمانے ہی میں وہ عمارت گر رہی تھی۔ اس کے جانشینوں کی عیش پرستیوں نے' یوں کہئے کہ اس کی مدت حیات کو ختم کرنے میں ذرا جلدی کر دی۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ذرا گہرائی میں جانے سے یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ ان کے کیریکٹر کی یہ خرابیاں بھی بیشتر اسی نظام ملوکیت کی پیدا کردہ تھیں۔ قرآن کریم نے کسی نظام کے بقا اور دوام کے لئے ایک ہی اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ: ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (۱۳/۱۷)۔ جو نظام عالم انسانیت کے لئے نفع بخش ہوگا اسی میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوگی۔ لہٰذا ''انفع الناس'' نظام اور اس نظام کے چلانے والوں کا حسن کردار دونوں مل کر مملکت کی بقا کا موجب بنتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید امتیاز احمد

پھول جو میں نے چُنے

(''شاہکار رسالت'' سے ماخوذ)

جب تک مسلمانوں کی فکر ونظر کا محور اور اعمال وافعال کا مرکز قرآن مجید رہے گا یہ صحیح راستے سے نہیں بھٹکیں گے۔ اگر انہوں نے اسے چھوڑ کر انسانی خیالات ونظریات کو اپنے لئے وجہِ کشش قرار دے لیا تو پھر انہیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

☆☆☆

انسانی خیالات ونظریات کا علم حاصل کرنا اس شخص کے لئے مفید ہوسکتا ہے جو انکا مطالعہ تنقیدی نگاہ سے کر سکنے کے قابل ہو۔ جسے اس قدر صلاحیت حاصل نہ ہو وہ غلط اور صحیح اور حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکے گا۔

☆☆☆

تاریخِ انسانیت اس حقیقت پر شاھد ہے کہ قوموں کی کشتی شخصیت پرستی کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے۔ خواہ یہ شخصیت پرستی دنیاوی حکمرانوں کو ظل اللہ علی الارض قرار دینے کی شکل میں ہو اور خواہ ''روحانی پیشواؤں'' کو فوق البشر حیثیت دینے کی صورت میں۔

☆☆☆

دین کا تمام تر مدار یقین پر ہے۔ یقین اس امر کا جس بات کو ہم دین کہتے ہیں وہ بلا شک وشبہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر اس بنیاد میں ذرا سا بھی تزلزل واقع ہو جائے تو دین کی ساری عمارت نیچے آ گرتی ہے۔

☆☆☆

خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد وہدایت کا مقصد انسانوں تک صحیح تعلیم کا پہنچا دینا ہی نہیں تھا' اس کی غایت یہ تھی کہ انسانی زندگی کے انفرادی' اور اجتماعی ہر گوشے میں خوشگوار انقلاب پیدا کر کے کاروان انسانیت کو صحیح راستے پر گامزن کر دیا جائے تا کہ اس طرح زندگی رفتہ رفتہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

☆☆☆

انسان کے سامنے دو ممکنات (Possibilities) ہوتی ہیں اور اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔ ان ممکنات کو تقدیرات الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ تقدیرات اٹل ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی حد تک انسان صاحب اختیار ہے اور اپنے اس اختیار وارادہ کی بنا پر اپنے فیصلوں اور اعمال کا ذمہ دار۔

☆☆☆

مومن کی زندگی یہ ہے کہ وہ خدا کے متعین فرمودہ مقصد کے حصول کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور دنیاوی مفاد ومتاع کی جس قدر جاذبیتیں اور اور لذائذ وحظائظ کی جس قدر دلکشیاں اس کی دامن کش اور عناں گیر ہوں انہیں جھٹک کر الگ کر دے۔ راستے میں جس قدر مشکلات وخطرات سامنے آئیں ان کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس میں موت آ جائے تو بھی اس کی خوش نصیبی اور منزل مقصود تک زندہ پہنچ جائے تو بھی بیدار بختی۔

قرآن کریم کی رو سے' انسان کا امتیازی شرف جس سے وہ حیوانات سے متمیز اور مختص ہوتا ہے اس کا صاحب اختیار وارادہ ہونا ہے۔ اسی سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے اور اس کی یہی ذمہ داری اسے جزا یا سزا کا مستوجب بناتی ہے۔

☆☆☆

ایمان قلب و دماغ کی کامل' بلا جور و اکراہ رضامندی سے صداقت کو قبول کرنے کا نام ہے اور جب تک کوئی شخص اس صداقت کو اس طرح قبول نہیں کرتا اسے صاحب ایمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆

جو دو اور دو چار کہتا ہو حق پہ ہو' وہ مصالحت کس بات پر کرے کیا دو اور دو تین یا پانچ مان لے؟ باطل اپنے مقام سے جتنا چاہے ادھر ادھر ہو جائے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔۔۔ لیکن حق اگر اپنے مقام سے ذرہ برابر بھی سرک جائے تو وہ حق نہیں رہتا باطل ہو جاتا ہے۔ غلط جواب سینکڑوں ہو سکتے ہیں صحیح جواب ایک ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

جب تک پانی کشتی کے نیچے رہتا ہے وہ کشتی کے تیرنے کا سہارا بنتا ہے۔ جب وہی پانی کشتی کے اوپر چڑھ آئے تو کشتی ڈوب جاتی ہے۔ قوموں کی تباہی کا باعث دولت وثروت کی فراوانی نہیں ہوتی۔ قومیں اس وقت تباہ ہوتی ہیں جب اس دولت کو پست جذبات حیوانیہ کی تسکین کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ خود ہماری تاریخ اس پر شاھد ہے۔

☆☆☆

قرآن کریم کی رو سے جنت کی طرف جانے والا رستہ خطرات اور مشکلات سے پٹا پڑا ہے اور انہی کے مقابلہ سے انسانی ذات کی وہ صلاحیتیں ابھرتی ہیں جو اسے حیاتِ ابدی کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

☆☆☆

جو شخص آباؤ اجداد کے مسلک پر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے اس کا ذہن جامد اور اس کی فکر مردہ ہو جاتی ہے۔ وہ نہ اپنے نظریات و معتقدات کو محک علمی پر پرکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ تحقیق و تجسس کی احتیاج۔ اس کے برعکس زندہ ذہن موروثی نظریات و مسالک کو پرکھتا ہے اور اگر ان میں کوئی سقم پاتا ہے تو تلاشِ صداقت میں سرگرداں رہتا ہے۔

☆☆☆

اسلام میں نسبت صرف ایک ہی باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے دین کی نسبت۔۔۔ اگر مسلمان کہلانے کے بعد بھی رنگ' نسل' خون اور وطن کے امتیازات باقی رہ جاتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ اسلام کا یہ دعویٰ صرف زبان اور الفاظ تک محدود ہے۔

☆☆☆

دین نام ہے اس نظامِ زندگی کا جس میں احکام خداوندی' بحیثیت قوانین نافذ ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسا اسی صورت میں اور اسی وقت ممکن ہے جب دین کے مدعیوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔

☆☆☆

ارتقائے انسانیت کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ معاشرے میں امن و امان رہے۔ لوگوں کی جان' مال' عزت' آبرو' عصمت ہر طرح سے محفوظ رہے اور اس طرح انہیں اطمینان اور سکون میسر ہو۔ جس معاشرے سے یہ سکون اٹھ جائے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ اس میں فساد برپا ہے۔

☆☆☆

قرآن کریم۔۔۔ زمان و مکان کی حدود سے ماورا اور واقعات و حوادث کی احتیاج سے مستغنی ہے۔ وہ ان ابدی اصول و قوانین کا مکمل مجموعہ ہے جو علم خداوندی میں ازل سے موجود تھے اور جنہیں اپنے وقت پر انسانوں تک پہنچایا جانا مقصود تھا۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمِ غیب اور استخارہ

''ملک میں جس قدر ''مذہب'' کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے' اسی قدر ٹی۔وی چینلز میں بھی ''مذہبی'' پروگراموں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ان میں سے اکثر پروگرام مذہب کے فرسودہ نظریات پر مبنی ہوتے ہیں۔متعدد پروگرام حضرت امام مہدی کے تشریف لانے کے سلسلہ میں ہوئے۔جن پر تبصرہ طلوع اسلام بابت اگست میں پیش کر کے یہ واضح کیا گیا تھا کہ آمد مہدی کا نظریہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ ''بولتے ستارے'' کے نام سے بھی مسلسل ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں مختلف حضرات کو دعوت دی جاتی ہے اور ان کے آئندہ کے حالات بتائے جاتے ہیں۔کسی کے آئندہ کے واقعات کے متعلق بتانا قرآن کریم کے خلاف ہے۔اس لئے یہ مضمون اس پروگرام کی تردید میں پیش خدمت ہے۔یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ جوان نسل کو غلط راہوں پر ڈالا جا رہا ہے۔طلوع اسلام بحیثیت ایک داعی الی القرآن کے اپنا فرض سمجھتا ہے کہ جہاں جہاں سے قرآن کے خلاف آواز اٹھتی ہے' اس کی اپنے مقدور بھر پرزور تردید کرے اور قرآن کریم کا محاکمہ اور تبصرہ اس پر پیش کرے۔ذیل میں محترم خواجہ ازہر عباس صاحب کا ان پروگراموں پر قرآن کی روشنی میں تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے۔آئندہ بھی یہ تبصرے وقتاً فوقتاً قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے رہیں گے۔وما توفیقی الا باللہ۔''

(ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام)

قرآن کریم کی رو سے علمِ غیب کی وضاحت

قرآنِ کریم کے مطابق مومن وہ ہے جسے خدا تعالیٰ کے اس قانون کی محکمیت پر بھی پورا پورا بھروسہ ہو جو کائنات میں کارفرما ہے اور اس قانون پر بھی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانی راہنمائی کے لئے ملا اور جو اب صرف قرآن کریم کے اندر ہے۔ایمان قرآن کے بیان کردہ حقائق کو صرف مان لینے کا نام نہیں ہے' ان کے سامنے عملاً سرِتسلیم خم کر دینا بھی ضروری ہے۔سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے۔ان تسمع الا من یومن بآیتنا فھم مسلمون (۳۰/۵۱)۔تو صرف انہی کو سنا سکتا ہے جو ہمارے احکام پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے والے ہیں۔مومن کا ایمان تو اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ جان کی بازی تک لگانے کو تیار رہتا ہے۔وہ علمی دنیا میں بھی یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد مفکرین کی سوچ کا نتیجہ قرآن کریم کے خلاف برآمد ہوتا ہے تو وہ اس کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتا ہے کہ چونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے' اس لئے یہ درست نہیں ہے اور مزید غور وفکر کا متقاضی ہے۔وہ یقین رکھتا ہے کہ وحی الٰہی کی تعلیم میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہوسکتا۔اسی طرح مومن کا فریضہ ہے کہ عملی زندگی میں بھی بعض مرتبہ اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ جو بظاہر

قرآن کی تعلیم کے خلاف ہوتے ہیں' تو وہ ان معاملات میں قرآن کریم کی تعلیم پر جم کر کھڑا رہے اور کبھی اپنے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دے اور اس بات پر یقین رکھے کہ مزید تحقیق وتفتیش کے بعد تمام مسائل میں درست بات صرف قرآن کریم کی ہوگی۔ البتہ مزید تحقیق اور سائنسی توجیہات میں کچھ وقت اور لگ سکتا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے غیب کا علم صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ انما الغیب للہ (۱۰/۲۰)۔ بجز ایں نیست کہ غیب کا علم صرف اللہ کے لئے ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت و الارض الغیب الا اللہ (۲۷/۶۷)۔ اے رسول کہہ دو کہ کائنات میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اس سلسلہ میں یوں تو متعدد آیات ہیں ان میں سے صرف چند آیات پیش خدمت کی جاتی ہیں۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہٖ من یشاء (۱۳/۱۷۸)۔ خدا تمہیں غیب کی باتیں نہیں بتاتا' بے شک وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس مقصد کے لئے چن لیتا ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداء الا من ارتفیٰ من رسول (۷۲/۲۶)۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنے علم کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس کے کہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے۔ رسولوں کو بھی غیب کا علم وحی کے ذریعے دیا جاتا تھا۔ کیونکہ خدا سے علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ وحی تھا۔ چنانچہ حضورﷺ کو بھی جب گذشتہ یا آئندہ کے امور کی اطلاع دی گئی تو واضح کر دیا گیا کہ ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک (۳/۴۵)۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ کیونکہ وحی کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے اس لئے اب غیب کا علم کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے قطعی طور پر ارشاد فرمادیا کہ وما تدری نفس ماذا تکسب غداً (۳۱/۳۴)۔ کوئی شخص یہ نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اس سلسلہ میں جو تمہید پیش خدمت کی گئی ہے' اور اس کے بعد جو آیات کریمات تحریر کی گئی ہیں ان کے بعد آپ خود غور فرمالیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان توضیحات وتشریحات کے باوجود اگر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مستقبل کے حالات وواقعات بتا سکتا ہے' تو اس کا قرآن کریم پر کس درجہ ایمان ہے' اور اس کی عملاً یہ صورت ہوسکتی ہے کہ:

(۱) یا تو وہ خدا کا رسول ہونے کا مدعی ہے کہ اسے یہ علم وحی کے ذریعے ملا ہے۔ یا

(۲) اگر وہ رسول ہونے کا مدعی نہیں ہے تو پھر وہ یہ کہتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ غیب کا علم خدا اور اس کے رسولوں کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ رسول نہ ہونے کے باوجود غیب کی باتیں بتا سکتا ہے۔ ان سطور کے مطالعہ کے بعد آپ خود غور فرمالیں کہ ختم نبوت کے بعد پیشگوئیاں کرنے والوں اور ان پر یقین کرنے والوں کا قرآن کریم کی رو سے کیا مقام ہے۔ ظاہر بظاہر تو یہ دعوے ءرسالت

ہے اور بس۔

اصل یہ ہے کہ پیشگوئیوں کو درست تسلیم کرنے کے سلسلہ میں گمراہی کا بیشتر سبب Chance ہوتا ہے اور پیشگوئی کرنے والے صاحبان اس کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن آپ غور فرمائیں کہ کائنات میں کوئی واقعہ بھی By Chance واقع نہیں ہوتا' ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب (Cause) ہوتا ہے۔ علمی تحقیقات کے بعد جن واقعات کے Cause کا ہمیں علم ہو جاتا ہے وہ معمول کے مطابق شمار ہو جاتے ہیں۔ البتہ جن اسباب کا اب تک ہمیں علم نہیں ہوتا' انہیں By Chance کہہ دیا جاتا ہے۔ انسان کی ابتدائی زندگی میں زیادہ تر واقعات By Chance کے زمرے میں آ جاتے تھے لیکن جس درجہ اسباب معلوم ہوتے چلے گئے وہ معمولات کے زمرے میں آتے چلے گئے۔ جن واقعات کو ہم ابھی تک By Chance شمار کرتے ہیں جب ان کے اسباب معلوم ہو جائیں گے تو وہ بھی معمولات میں شامل ہو جائیں گے۔ جس درجہ ایسے واقعات معمولات کے زمرے میں آتے جائیں گے' پیشگوئی کرنے والوں کا اثر اسی نسبت کم ہوتا جائے گا' اور ان کا Domain اسی درجہ محدود ہوتا چلا جائے گا۔

بانداز دیگر پیش خدمت ہے کہ غیب و شہادت کی ایک اور بھی صورت ہے' کہ محکمۂ موسمیات کے ماہرین کافی عرصہ پیشتر ''پیشگوئی'' کر دیں گے کہ فلاں مقام پر فلاں دن بارش ہو گی' اسی طرح علم الافلاک کے ماہرین حساب لگا کر پیشتر سے ''پیشگوئی'' کر دیں گے کہ فلاں تاریخ کو سورج گرہن ہو گا۔ دور جہالت اور ازمنۂ توہم پرستی میں اس طرح کی ''پیش گوئی'' کرنے والوں کو مافوق الفطرت قوتوں کا مالک سمجھا جاتا تھا' اور لوگ ان کی پرستش کرنے لگتے تھے' لیکن اب جبکہ علوم کی ترقی ہو گئی ہے۔ حقیقت سامنے آ گئی ہے کہ اس میں مافوق الفطرت کوئی عنصر نہیں ہے' یہ صرف علم کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین غیر متبدل ہیں جو شخص بھی اس قانون کا علم حاصل کرے گا وہ اس قسم کی ''پیشگوئیاں'' آسانی کر سکتا ہے۔

لیکن یہ پیشگوئیاں ان ہی امور کے متعلق کی جا سکتی ہیں جن کا تعلق قوانین فطرت سے ہے اور جنہیں اپنی مرضی سے کچھ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جو مخلوق صاحب اختیار ہو گی' اس کے متعلق کوئی پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔ انسان تو ایک طرف اگر کوئی گائے کسی جگہ بندھی ہوتی ہے' تو کوئی سائنسدان یا عالم' یا پیشگوئی کرنے والا یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ گائے رسہ کھل جانے کے بعد کس سمت کا رخ کرے گی۔ کیونکہ اس کے ارادہ کا کسی پیشگوئی کرنے والے' یا کسی بڑے سے بڑے عالم کو علم نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی جاندار کے متعلق جب اتنا بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ آئندہ کیا کرے گا' تو انسان جیسے صاحب اختیار و ارادہ کے متعلق کوئی کیسے پیشگوئی کر سکتا ہے۔ کوئی دوسرا تو ایک طرف' قرآن کریم تو یہاں تک کہتا ہے کہ کوئی شخص خود اپنے متعلق بھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور اس کی موت کہاں واقع ہو گی۔ وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس بای ارض فوت (۳۱/۳۴)۔ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ ہی یہ معلوم کہ وہ کس جگہ مرے گا۔

ایک دیوان حضرت علی المرتضیٰؓ کے نام سے منسوب

دیوان علی کے نام سے موجود ہے۔ وہ دیوان اس وقت راقم سطور کمترین کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن کمترین کو یاد ہے کہ مدرسہ کی بالکل ابتدائی زندگی میں وہ دیوان فارسی شرح کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس کے بالکل ابتدائی اشعار دنوں (ایام) کے خواص سے متعلق ہیں کہ مختلف دنوں کے کیا کیا خواص و اثرات ہوتے ہیں' اور اس سلسلہ کا آخری شعر یہ ہے جو کمترین کو اب تک یاد ہے۔

و هذا لعلم لم يعلمه الا
نبی او وصی الانبیاء

یہ وہ علم ہے کہ جس کو صرف نبی یا ان کا وصی جان سکتا ہے۔

یہ اشعار قرآن کریم کے خلاف ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حضرت علی المرتضٰی کے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آنجنابؓ کوئی بات قرآن کریم کے خلاف کبھی بھی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اشعار آنجناب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور ہمارے اسلامی لٹریچر کا حصہ ہیں۔ جب بچوں کا ذہن اس طرح بنایا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ انہیں خلاف قرآن عقائد پر کس طرح شبہ ہو سکتا ہے۔

دیگرے را چہ رسد خود انبیاء کرامؑ بھی غیب نہیں جانتے تھے۔ ولا اعلم الغیب () میں غیب نہیں جانتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضورﷺ خود نہ صرف غیب نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا برملا اعلان فرماتے تھے کہ وہ غیب نہیں جانتے۔ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر (۱۸۸/۷)۔ اگر میں غیب کو جانتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا' جب خود حضورﷺ غیب نہیں جانتے تھے تو پھر کوئی اور شخص کیسے غیب کی خبریں بتا سکتا ہے۔ غیب کی خبریں بتانا حضورﷺ کے طریقہ اور سنت کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

☆☆☆

استخارہ

ہمارے ملک میں (دین کا نہیں) ''مذہب'' کا اس قدر غلبہ ہوا ہے کہ ٹی۔ وی چینلز بھی اس غلبہ سے محفوظ نہیں رہ سکے اور اب ہر چینل پر مذہب کے پروگرام باقاعدگی سے نشر ہونے لگے ہیں۔ اذان' عالم آن لائن' بولتے ستارے' استخارہ اور روحانی مشورے کے پروگرام ان میں ہی شامل ہیں۔ پہلے استخارہ بہت کم لوگ' اور بہت پریشانی کے عالم میں دیکھتے تھے' اور عام لوگ بڑے بڑے مقدس علماء سے استخارہ کرایا کرتے تھے۔ لیکن اب استخارہ کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے اور اب اس ٹی۔ وی چینل کی وجہ سے' اور معاشرہ میں مصائب و پریشانیوں میں اضافہ کی وجہ سے اس میں اور مزید اضافہ ہوگا۔ معاشرہ میں جس قدر پریشانیاں بڑھیں گی استخارہ کا رواج بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ استخارہ دیکھنا قرآن کریم کے خلاف ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سطور پیش خدمتِ عالی ہے۔

حضور اکرمﷺ جب کفار و مشرکین کے سامنے قرآن پیش فرماتے تھے تو مخالفین وحی کے متعلق وضع وضع کے اعتراضات کرتے تھے' ان کا مقصد قرآن کریم کی تبلیغ میں

رکاوٹیں اور موانعات پیدا کرنا تھا۔ وہ برملا کھلم کھلا وحی' نبوت اور رسالت کے متعلق اعتراضات کرتے تھے۔ وقال الذین لا یعلمون لولا یکلمنا اللہ (۲/۱۱۸)۔ ان میں سے وہ لوگ جنہیں علم نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست باتیں کیوں نہیں کرتا۔ لیکن اللہ نے ہر انسان کو علم دینے کے لئے وحی کا ذریعہ نہیں رکھا کیونکہ اگر ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست' علم یا ہدایت حاصل ہونے لگتا' تو ہر انسان مجبور محض ہو کر رہ جاتا اور انسان کی آزادی سلب ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و ہدایت دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر لیتا اور اس کو علم عطا کرتا اور پھر اس کی معرفت تمام لوگوں کو علم دیتا تھا تا کہ تمام انسان اس کو ماننے یا نہ ماننے میں آزاد رہیں' اور ان کی آزادی قائم رہے۔ سورہ الشوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء (۴۲/۵۱)۔ اور کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے' یا کوئی فرشتہ بھیج دے' غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے۔ یہاں پوری نوع انسانی تک اللہ کی ہدایت وصول ہونے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رسول اور دوسرے رسولوں کے علاوہ پوری نوع انسانی۔ رسولوں کو ہدایت ملنے کے دو طریقے بتائے گئے ہیں ایک وحی جو جبریل لاتے تھے۔ جیسا کہ حضورﷺ پر وحی آتی تھی یعنی جبرئیل کے ذریعے سے جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ فانہ نزلہ علی قلبک (۲/۹۷)۔ دوسرا طریقہ فرشتے کے بغیر براہ راست اس طریقہ سے کہ آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن متکلم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی ہوتی تھی۔ اور جس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہوا ہے۔

یہ مذکورہ بالا دو طریقے انبیاء کرامؑ کے ساتھ مخصوص تھے اب رہے وہ تمام لوگ جن پر تمام نوع انسانی مشتمل ہے اور جو رسول نہیں ہیں تو ان کے ساتھ کلام خداوندی کا طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف اپنا رسول روانہ کرتا تھا اور اس رسول کی معرفت اپنا کلام عام انسانوں کو پہنچاتا تھا۔ یہ رسول ان کے درمیان واسطہ بنتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تو رسول کے علاوہ کسی بشر سے بات کرتا ہی نہیں تھا اور وحی الٰہی یعنی علم خداوندی بھی انسانوں میں صرف انبیاء کرام کی معرفت آتی تھی۔ رسولوں کے علاوہ انسانوں کو خدا کی وحی اور علم صرف انبیاء کرام کی معرفت ملتا تھا۔ اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن کریم میں محفوظ ہو گیا ہے اس لئے اب علم خداوندی حاصل ہونے کا واحد ذریعہ قرآن کریم ہے اور اللہ سے کلام کرنے کا بھی واحد ذریعہ قرآن کریم ہے۔ جتنی دیر آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں آپ مکالمہ خداوندی سے سرفراز' اور مخاطبۂ الٰہی سے مشرف و سربلند ہوتے ہیں۔

ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا جو علم اللہ تعالیٰ کو دینا تھا وہ دے دیا گیا۔ و تمت کلمت ربک صدقاً و عدلاً ()کلمات خداوندی صدق و عدل کے ساتھ ختم ہو گئے۔ ختم نبوت کے معنے

ہی یہ ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم آنا بند ہو گیا ہے اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ ختم نبوت کی تردید کر دیتا ہے اور توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے۔ کشف' الہام' القاء یہ سب ہماری اپنی بنائی ہوئی اصطلاحیں ہیں اور قرآن کریم کو ان سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ استخارہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہے اور قطعاً خلاف قرآن ہے اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے قرآن کو مٹا دینے کی بڑی پر فریب ترکیب اور قرآن کے خلاف گہری سازش ہے۔

وقل ربی اعوذ بک من همزات الشیاطین (۲۳/۹۲)۔

اور کہہ دو کہ اے میرے پروردگار میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

☆☆☆

ایک اہم سوال کا جواب

اکثر حضرات کو یہ سوال پریشان کرتا ہے کہ آیا غیر مسلم جنت میں جائیں گے یا نہیں اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو ملے گا یا نہیں اور یہ کہ کیا مسلمان بغیر نیک عمل کئے ہوئے بھی جنت میں چلے جائیں گے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں راقم سطور کمترین کے پاس کئی ای میل اور اکثر خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ سوال اکثر حضرات کے لئے ذہن میں آتا ہے اور باعث خلش ہوتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ سوال اکثر اس وجہ سے پریشانی کا باعث بنتا ہے کہ ہمارے اذہان میں نیک اعمال' اسلام' اور جنت کا صحیح قرآنی تصور نہیں ہوتا۔ اگر ان تینوں چیزوں کا قرآنی تصور ہمارے پیش نظر ہو تو اس سوال کا جواب زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

بات سمجھانے کی خاطر اس سلسلہ میں دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے اس مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہو گی۔ فرض کیجئے کہ کوئی بد دیانت افسر ہے اور اس کے ماتحت ایک دیانتدار کلرک کام کرتا ہے۔ اس افسر کو برابر اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ کسی سٹیج پر وہ کلرک اس کو نقصان دہ ثابت نہ ہو اس لئے وہ اس کو کسی ترکیب سے ملازمت سے الگ کر دیتا ہے۔ وہ کلرک ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی' اپنی پریشانی کی وجہ سے' اس افسر کے پاس آتا جاتا رہتا ہے' وہ افسر کبھی کبھی اس پر ترس کھا کر اس کی مالی مدد کی خاطر اس کو سو دو سو روپے دے دیتا ہے۔ آپ یہ خیال فرمائیں کہ اس افسر کا کبھی کبھی اس کی مدد کرنا' کیا نیک اعمال میں شمار ہو گا۔ کیا کسی درجہ میں بھی یہ نیک عملی کے زمرہ میں قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح کسی ملک کے بڑے بڑے تجار ملک میں غلہ کی ہورڈنگ کر کے' قحط کی حالت پیدا کر دیتے ہیں اور لوگ بھوکے مرنے لگتے ہیں' لیکن اس دوران ایک تاجر اپنے قریبی غریب رشتہ دار یا ملازموں کو کم قیمت پر غلہ فراہم کر دیتا ہے تو آپ خود خیال فرمائیں کہ یہ غلہ کی فراہمی نیک اعمال میں شمار کی جا سکتی ہے؟ اسی طرح ملک کے سیاستدان ملک میں برابر افراتفری قائم رکھتے ہیں' لیکن ساتھ ساتھ انفرادی طور پر نیک کام بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ تو کیا ان نیک کاموں کی کوئی اہمیت میزان خداوندی میں ہو سکتی ہے۔ اس لئے پہلے نیک اعمال کو Define کرنا ضروری ہے۔

اسلام کا یہ تصور کہ اسلام محض انفرادی عبادتوں' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی ادائیگی کا نام ہے' صحیح اور قرآنی تصور نہیں ہے۔ اسلام ایک نظام حیات کا نام ہے۔ اس نظام میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مستقل اقدار کو جاری کیا جاتا ہے۔ یہ مستقل اقدار انسانی ذات پر اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ہر کام کا اثر انسانی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ ہر وہ کام جو مستقل اقدار کے مطابق ہوتا ہے' اس کا اچھا اثر ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ اس سے ذات میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور جس کام سے ذات میں پختگی پیدا ہوتی ہے وہ ہی نیک اعمال ہوتے ہیں اور جن کاموں سے نفس انسانی پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بداعمال اور ''گناہ'' ہوتے ہیں۔ نفس انسانی پر یہ اثرات قرآنی نظام کے اندر مرتب ہوتے ہیں۔

قرآنی معاشرہ نیک اعمال کے اثرات مرتب کرنے کے علاوہ اس دنیا کی زندگی کو بھی جنت کی زندگی بناتا ہے۔ معاشرہ کو غلط بنیادوں پر استوار کرنا' اور قرآنی معاشرہ کے قیام میں ہر طرح کی مخالفت کرنا' انسانیت کے خلاف وہ جرم عظیم ہے جس کے سامنے یہ انفرادی نیکیاں کبھی بھی قابل معافی نہیں ہوسکتیں۔ اگر ایک طرف انکا وہ جرم عظیم اور دوسری طرف ان کی نیکیاں ہوں تو ان کی وہ انفرادی نیکیاں' اس جرم عظیم کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہماری یہ بھول ہے کہ ہم اس قسم کی انفرادی نیکیوں کو تو ثواب کا کام شمار کرتے ہیں' اور اس بات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کہ وہ قرآنی اصول کیا ہیں جن کے مطابق انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اصل شے وہ نظام ہے جسے انسان قائم کرتا ہے' اور اس کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ نظام درست ہے تو اس میں انفرادی نیکیاں بھی اپنے نتائج پیدا کرتی ہیں اور اگر وہ نظام ہی باطل کی تخریبی بنیادوں پر اٹھایا گیا ہے تو اس میں افراد کی اس قسم کی ذاتی نیکیاں اس بدعملی اور گناہ کا بدلہ نہیں ہوسکتیں جو نظام انسانیت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے جو یہودیوں کا جرم گنوایا ہے وہ عام طور پر سب کو معلوم ہے کہ وہ خود ہی کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے تھے (۲/۸۵) اور ان کے دوبارہ آباد کرنے کو وہ ثواب عظیم سمجھتے تھے لیکن قرآن کریم نے ان کے اس کام کا نتیجہ دنیا و آخرت میں ذلت وخواری بتایا ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کا بہت واضح اصول ہے جو ہمیں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ انسانیت پر ظلم کرنے والے غلط نظام کے اندر انفرادی نیکیاں نہ اپنا نتیجہ برآمد کرتی ہیں اور نہ ہی وہ باعث ثواب ہیں۔

یہاں تک تو غیر مسلموں کے نیک اعمال کے سلسلہ میں عرض کیا گیا ہے اس کے آگے سوال کا دوسرا حصہ کہ مسلمان صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے جنت میں جائیں گے تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ بات بھی قرآن کریم کے خلاف ہے کیونکہ مسلمان وہ نہیں ہے کہ جو صرف انفرادی نیکیاں کرے بلکہ قرآن کریم کی رو سے مسلمان وہ ہے جو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد' مکمل' انسانیت ساز' اور آخری ضابطۂ حیات خیال کرے اور ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں نظام خداوندی (جو قرآن کریم پر مبنی ہے) کے قیام کے لئے پوری پوری کوشش کرے اور جس ملک اور مقام

میں بھی ہو وہاں سے اس جدوجہد کو شروع کر دے۔ کیونکہ نظام الٰہی کسی مقام یا کسی دور سے مخصوص نہیں ہے' اس کی پوری پوری کوشش یہی ہو کہ تمام نظامہائے حیات کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف اور صرف اللہ کے قانون اور نظام کو جاری کر دے۔ اس لئے کہ اسی نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے اور جو لوگ بھی اللہ و رسول کی اطاعت کے خواہاں ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کا دیا ہوا نظام جاری کریں جو لوگ اللہ کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں وہ اللہ کے باغی' دشمن' اور نافرمان ہیں' خواہ وہ کتنے ہی نماز اور روزوں کے پابند ہوں۔ اصل یہ ہے کہ کفر درحقیقت نظام خداوندی کے خلاف بغاوت کا نام ہے۔ غیر مسلم نظامِ خداوندی کی ذہنی اور اعتقادی طور پر بغاوت کرتے ہیں اور ہم مسلمان اس کو ذہنی و اعتقادی طور پر تسلیم کرنے کے باوجود اس کی عملی طور پر بغاوت کرتے ہیں۔ اس لئے انفرادی اعمال کا بدلہ نہ غیر مسلموں کو مل سکتا ہے اور نہ ہی ہم مسلمانوں کو اور نہ ہی ہم مسلمان صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے جنت میں جا سکتے ہیں اور جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے وہ **جنت الحمقاء** میں رہتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔

THE LAW OF DIVINE WILL

An Excerpt Chapter from the Translation of

Kitab-ut-Taqdir By G. A. Parwez

English Rendering By
Prof. Khalid Sayyed, UK.

==========

The Arabic root 'ش - ي – ا' is the source of words like ' مشيئة - شيئاً - يشاء - شاء' etc. Traditionally, it is translated into *Urdu* as 'to wish'. This inaccurate translation (and its interpretation) is the cause of so much confusion regarding the question of destiny. Let us first look carefully at it.

Intention and Will

The Arabic work 'مشيئة' means to have an intention (to do something). Though some linguists take 'ارادة' and 'مشيئة' to be synonymous in meaning, there is a semantic difference. 'ارادة' is to intend to do and 'مشيئة' is the realization of intention. Hence, 'شيء' (thing) is the resulting product of intention. Therefore, the two terms (ارادة and مشيئة) must be viewed with that difference regarding *Allah*, even though they are commonly taken to mean to want / to wish / to intend. For example, "His *(Allah's*) *amr* is that when He intends to do something He says to it, 'Be', and it is" (36/82).

Chapter (2) of this book dealt in detail with the creation plan of *Allah*. It consists of two stages – *'amr'* and *'khalq'*. About *'amr'*, I quote from my *work Lughaat-al-Quran:*

> 'The process of CAUSE and EFFECT is a matter of common observation. But, the chain of events, if rolled back, has to stop somewhere (the initial starting point). There, the EFFECT had to be **without** a CAUSE. That is the moment of creation of the Universe by *Allah* – by His will and intention. Why did He do what He did? The question is unanswerable as it refers to a period not falling within our concepts of rules and laws.
>
> (Root "ش ي ا", p. 789)

So, that is *Allah's amr*, where creation is done according to His own scheme and universal laws are established. Why does water have the characteristic of keeping its level? Why is fire hot? Why does poison kill? Simply because *Allah* wanted it so. We observe *Allah*'s will (مشيئة) in the physical universe around us. Similarly, He has established laws (His مشيئة) for the social universe. These laws

were given to Man through His messengers. Therefore, the *Quranic* use of "شاء - يشاء etc." should be translated as: 'whatever is His law or Will' (مشيئة) and **not** as: 'whatever He wants'. It should be: 'Whatever He has **already** wanted'. This slight change in translation alleviates so much confusion and apparent contradiction. The present chapter is an attempt to do just that.

I - لو شاء الله - If *Allah* Willed

This expression often appears in the *Quran* and is usually translated as: 'If *Allah* wanted……' It should be translated as: 'If *Allah* had formulated the Law like……'. For instance, salt has a salty taste because *Allah* wanted it so and made it so. If He had formulated salt to be with a sweet taste, it would have been sweet. Can *Allah* change the taste of salt from salty to sweet? The answer to that is: **Yes, He can but He won't**, because He has pledged **NOT** to make changes in laws He has established according to His will (مشيئة). Thus, in the expression concerned, the word "لو" (if) means: 'That will never happen'. *Sayyuty* writes in his *'Itteqan':*

> *'Ibn Abi Hatim*, in the way of *Dhahaak*, reports from *Ibn Abbas*, who said: 'wherever لو appears in the *Quran*, it means that it will never occur'.
>
> *(Itteqan*, Part I, 40th kind)

Examples from the *Quran*

In *Al-Melal wan-Nahal*, Imam *Ibn Hazam* supports this meaning, explaining it elaborately. Here are some examples from the *Quran:*

(i) *Allah's* will (مشيئة) about the entire universe --inanimate matter, plants, animals etc. --, with the exception of Man, is that it functions slavishly according to the laws inherent in its makeup. This is known as 'instinct', referred to as 'revelation' (وحي) by the *Quran*. It is also referred to as 'nature of things' e.g., liquids keep their level, certain animals are herbivores while others are carnivores, and so on. All similar things behave in a similar fashion, everywhere and at all times.

Man, on the other hand, is different. There is no 'human nature' nor is he gifted with guidance for behavior. Social laws are given to Man externally through revelation with complete freedom of choice. That is why mankind is not naturally welded into 'one nation'. People behave differently under the same circumstances.

Why were all people not created good?

A superficial look at the disharmony of the human race may give rise to the question: 'Why did *Allah* not create all men good and peace-loving?

The *Quran's* response to that query is the following. Of course, it was perfectly within His powers to create Man compelled like the rest of the

creation. But, He did not will it so. He gave Man a free will. Therefore, any social system which denies men the right to exercise their free will, is anti-*Quranic*. The Messenger, much in the manner of a loving physician, desired people to accept Islam. But, *Allah* said, "Are you going to torture yourself over people not accepting the message?" (26/3).

Sura Younis says: "If *Allah* had willed so, all men on Earth would have become convinced (of the message but He did not will it so and gave Man the freedom of choice). Then, are you (the Messenger) going to push people to conviction (against their will)?" (10/99). "If We had wanted (all men to forcibly follow Our way), We would have provided guidance to each single person ….." (33/13). People have complete freedom of choice to accept or reject the guidance to the right path (18/29). The aim is to develop human qualities and test the use of free will (5/48-49). Men can resolve their differences by willfully and freely choosing the right path. It will NOT be forced upon them (11/118-119). If compulsion was there, there would have been no dissenters or atheists (6/108, 6/138). In that case men would have been like stones or animals, NOT human!

Demand for Miracles

Man has been created with free will. He can be made go against his will by two methods. One is to threaten him physically. The other is to influence his psychology. Mysticism achieves this through 'supernatural' events (minor miracles). It was quite widespread at the advent of Islam. Therefore, the dissenters of Arabia used to press the Messenger to produce miracles in support of his message. *Allah* would reply through the Messenger, that He expects them to arrive at the truth by using their reasoning intellect, exercising their free will. It is not befitting *Allah* to grant the faculty of free will and then suspend it.

***Allah*'s Reply**

Sura Anaam refers to this thus: "They say why *Allah* does not give His Messenger a miracle? Say (to them) *Allah* is perfectly capable of doing it but most of them don't know (why He doesn't)" (6/37). Muhammad was told that if he were to reach the inner-most depths of the earth or the loftiest heights of the sky and bring them a miracle, they will still not be (worthy of being termed) as 'convinced'. That is, they may psychologically be forced into submission, but it will not be conviction (which comes through independent reasoning and free choice). So, don't be like the ones who, out of ignorance, ask why *Allah* did not make all men good (6/35). Conviction springs from the bottom of one's heart (6/36).

Elsewhere, the *Quran*, referring to this demand of miracles (13/27), talks about the Muslims who begin to think favorably of such use of miracles and says: "Tell them that if the *Quran* was to move mountains and shrink distances, or make the dead speak; even then they would not become 'convinced'. *Allah* has set laws for everything (13/31). The law in this regard is that people who don't use reasoning remain confused (10/150). Then said, (Do you now understand that) "If *Allah* wanted it so, He would have put the entire mankind on the right path" (13/31).

Why all this violence and killing

ii) All the killings and violence in the world make many of us wonder why *Allah* does not do something to stop the bloodshed. Incidentally, in the allegorical story of the creation of Man this was the eventuality feared by angels. In reply to this, *Sura Baqara* says that *Allah*, through His Messengers, sent guidance to mankind advising them against bloodshed. People would resume mutual killings and the Messengers were dead. "If *Allah* had willed it so, they would not have killed……." (2/253). *Allah* does not exercise compulsion on men. They are free to choose. That is why "some of them are convinced, some are not" (2/53).

لو شاء الله (If *Allah* wanted) is widely taken to mean that *Allah* purposefully allows all the wrong-doing going on in the world. So, in a way, He wants the situation to be as it is. Granted that, with the advent of knowledge, not many believe in it any more, the ancient Muslim literature, that of mysticism in particular, supports this view. This view was the one presented by the atheists and dissenters at the time of the Messenger. They have been reported to say in *Sura An'aam*: "If God wanted it so, we or our ancestors would never have committed atheism ..." (6/149; 16/35; 43/20). *Sura Yasin* reports their response, when asked to help the poor, as: "Should we feed those (people) who would have been fed if *Allah* wanted it so?" (36/47).

Therefore, the *Quran* takes this view as that of the dissenters and polytheists -- way of the ignorant.

II - ما شاء الله - What *Allah* Wills

This expression is widely taken to mean that events occur according to *Allah's* will, no matter how hard we try to make things happen any other way. This view obviously is a result of the concept of compulsion. Let us now try to look at the *Quranic* view of this oft-used expression.

Examples from the *Quran*

(i) *Sura Baqara* says: "Man can have no knowledge of things except for whatever *(Allah)* wills" (2/255). It should be taken as to mean that Man can obtain knowledge through laws already established by *Allah* (His will - مشيئة); even then his knowledge will be limited as compared to *Allah's*.

(ii) *Sura Kahaf* reports the allegory of two orchard owners. One of them had the right view of life while the other: ".. was unfair on himself" (18/35). He was a dissenter of *Allah* and His Law of Returns. The natural result was that his crops were all destroyed. The other man (convinced) said to him: You should have said, "All this occurs according to *Allah's* (natural) laws. Nobody, other than Him, has the power to do it" (18/39).

(iii) Please recall the following discussion from the chapter which dealt with Good and Evil.

Loss and Gain

Sura Younis reports: "O Messenger! The dissenters pester you tauntingly to bring upon them the dreaded destruction. Tell them that it is not upto you (the messenger). Say: "I am not empowered (even) to hurt or benefit myself outside the bounds of laws established by *Allah*" (10/49). Also: "There is a law for everything. When the period of respite is over, the (destruction) comes right on time" (10/49).

Referring to the laws of 'life and death' for nations, *Sura Ar-Raad* says: "Every period of respite is under a law. People (s) are destroyed and survived according to *Allah's* laws (مشیئة). These laws were established according to the 'Mother of Books' He has, (He did it according to His own will (مشیئة)" (13/39).

الا ما شاء الله - But whatever *Allah* wills

(vi) Occasionally, there appears in the *Quran*, the phrase (الا ما شاء الله). For Instance, in *Sura al-Aala*: 'We have given this *Quran* to you (O Messenger) in a way that you will not forget (any of) it – it will never happen! (87/6-7). The phrase الا ما شاء الله (except what *Allah* wills) should not be taken to mean: "You may forget of it only as much as *Allah* allows". The Messenger was not to forget any of the revelation at all! (17/86). *Mufti Mohammad Abdu* writes in his A*l-Manar*: "In the *Quran*, 'exception to *Allah's* will مشیئة **always** means consistency and occurrence of event – i.e. the opposite of what has been said will never happen. الا(except or but) in this phrase means that *Allah's* will (مشیئة) won't be contrary to what has been said – He would have had it otherwise if He wanted it so. Therefore, the verses above (87/6-7) mean: "You will never be able to forget it."

Supportive of this interpretation of the phrase in question are the verses from S*ura Hood*, which talk about permanent occupancy of Paradise and Hell, saying: "They shall be in it till the universe is – except (this) what your Preserver wants …" (11/109; 11/108; 6/120). It means that they will stay there according to the Law of *Allah's* will (for ever).

Summarizing then, we can see that -- ما شاء الله --doesn't mean *Allah's* will will be carried out no matter what Man does – the *Quran* has given free choice to men by saying اعملوا ما شئتم (do whatever you wish). *Allah* exercised His will to formulate

and establish laws. After that, Man is to exercise his own will to go against those laws if he so desires. However, Man should bear in mind the Law of Returns which oversees his actions (انه بما تعملون بصير - 41/40). Man is free to choose his action but is not free to change the natural consequences of that action.

III - إن شاء الله - If *Allah* Wills

The phrase is traditionally translated as: If *Allah* so desires – is an everyday expression of our language (*Urdu* as well as *Arabic* speakers use it very frequently). Its significance may be seen in an imaginary conversation which follows:

A: You'll go there at 4 o'clock, won't you?

B: *Insha Allah* (If *Allah* wills it).

A: It is quite an important matter. Please don't give me *Insha Allah*. Make me a firm promise that you will be there at 4 o'clock!

That shows that *'Insha Allah'* is used in uncertain situations. Apparently, this usage of the term is ordinary, but, in reality, is not so. One can never be certain of one's actions when one holds the view of Man's inability to take action against *Allah's* supposedly pre-decided chain of events in the human world. The resulting inconfidence has bred the habit of uttering the phrase *Insha Allah* with almost every action. So much so that the majority of Muslims, especially in the sub-continent, consider it a minor sin to omit it from one's conversation.

The Airplane Disasters

Pakistan International Airlines (PIA) used to be considered quite a dependable service. By chance (really because of lack of technical application, mismanagement, etc.), it met with a few airplane accidents. During the course of investigation, the religious lobby of the country blamed the pilot's omission of the phrase *'Insha Allah'* when announcing the craft's departure. The situation was addressed by inserting the phrase in the captain's announcement. Still, accidents continued to happen!

Meanings of *'In'* (إن)

The pre-fix إن is widely taken to mean 'if'. But it has other uses which are, unfortunately, ignored in translating the *Quran*. Grammatically, it is also used to mean 'because'. *Sayyuti*, in his *Itteqan*, has presented several examples of it. Let me illustrate this with another imaginary conversation:

A: Don't bother with making tea. It will take quite sometime whereas I am rather in a hurry.

B: It won't take much time. I have put the kettle on. We'll have tea in ten minutes.

A: In ten minutes?

B: *Insha Allah!* (Of course. I have taken all steps needed to make tea. Nature will certainly work its laws *(Allah's* will - مشيئة) and we will definitely have tea in ten minutes. It just can't be otherwise!).

The change in meaning of إن , is so obvious! Now, it breeds confidence instead of uncertainty. According to Arabic lexicon, إن is also used to mean إذ(when). *Sayyuti* gives some very illustrative examples:

i) *Sura Aal-e-Imran:* "Because you are convinced, you will (definitely) triumph (and be on top)" (3/138).

ii) *Sura Fath:* "You will certainly enter the sacred mosque *(Kaaba in Makkah)* because you are convinced (and working according to *Allah's* laws)" (48/27).

iii) *Sura Yousef*, referring to Messenger *Yousef's* (Joseph) parents and others arriving in Egypt, says: "*(Yousef)* said (to them) 'Enter Egypt. You will be in peace because it is all happening according to *Allah's* will مشيئة " (12/99).

iv) When the father-in-law of *Moosa* (Moses), believed to be Messenger *Shoaib*, agreed with him a working contract, he said to *Moosa:* "Because I follow *Allah's* way, you will find me one of the righteous" (28/27; 18/69; 37/102).

v) In the battle of *Ahzaab*, the hypocrites had committed grave acts of betrayal against the Muslims. *Allah's* law regarding criminals is to forgive if the convicted show remorse and promise of improved behavior. Otherwise, they must be punished. In view of this, regarding the hypocrites, it was said: "The hypocrites are to be punished, according to *Allah's* will, or forgiven" (33/24).

Sura Luqman says: "And no one knows what one will do tomorrow" (31/34). This is because one can never be sure of EVERY THING -- that is the unknown (غيب). We can predict (forecast) the exact moment of solar eclipse 100 years from now, but cannot tell the next landing spot of a common fly. That is why the *Quran* says: 'and don't say what you will definitely do tomorrow, except do whatever is required in that regard according to *Allah's* will (مشيئة)'. If you come across factors hitherto unknown to you, you won't succeed. So just do what you know is required. "Don't be frustrated if you fail. Retrace your steps and try to remember and see what you missed. You will be more sure of, and closer to, success" (18/23-24).

'in' إن meaning IF

Let us now examine verses using 'In' إن , in the meaning of IF. It will be good to have a brief version of 'If *Allah* wanted so' (لو شاء الله) i. e., If *Allah* so desired, He would have created poison without its lethal aspect (He did not want it so. Therefore he made poison with its characteristics it has). This is exactly what is meant in verses using *'In'* in the meaning of IF:

i) *Sura Yasin* refers to the fact of such heavily-laden boats floating as easily as ducks. This is because He wanted it so. "If He didn't, they would sink ….." (36/43) similar is the case of winds helping sails (42/33).

ii) Messenger *Nooh* (Noah) used to warn his people of the destructive consequences of their wrong ways. They would challenge him to bring upon them the dreaded calamity. He would reply: "That (calamity) will befall you according to *Allah*'s will (His program -- مشیئة)" (11/33).

iii) *Allah* revealed the *Quran* in its entirety and has taken it upon Himself to safeguard it. Therefore, it is just un-thinkable that any part of the *Quran* may be lost. In this regard He says: "If we had so desired (according to Our program -- مشیئة). We would have taken some part of it away …." (17/86).

Also, He says to the Messenger: "If *Allah* had wanted so, He would have sealed your heart (so that the message would not enter it) …. " (42/24).

iv) Allah created Man with the instruction: "For you there is temporary (upto a time) stay on Earth" (2/36). Man's stay on Earth, in his present form of life, the life of the Universe itself etc., are matter concerning *Allah's* program (مشیئة). Therefore, "If He so desires, O Man! He will remove you all and bring others (to replace you). And *Allah* has set laws to that effect: (4/133). See also: (14/19; 35/16).

v) The same phrase 'If He so desired' (إن شاء الله) has been used in regard to rise and fall of nations (6/139).

Don't desire but what *Allah* desires

We have seen that the *Quran* says to men, 'Do whatever you like'. The *Quran* says about itself: 'Be informed that it (the *Quran*) is reminder (of truths forgotten). So, whoever so wishes may revive (them) (80/11-12). But the *Quran* also contains verses like the following with traditionally current sense of translation):

i) 'This is an advice. So, whoever wishes to have the path to his *Allah*. But you won't wish except what *Allah* wishes' (76/29-30).

ii) 'This is nothing but advice for (all) the worlds; for one among you who wishes to follow a straight path. And you don't want but what wants *Allah*, the Sustainer of the worlds' (81/27-29; 74/56).

Urdu Translation by: *Shah Rafiuddin*

Obviously, this mode of translation presents ridiculous interpretation because what it effectively means is: *Allah* gave Man a code of behavior (the *Quran*) giving him free choice to either adopt or reject it. Nevertheless, the situation is that Man

does not really have a choice of his own since he is bound to make a decision which *Allah* wants him to.

This gives rise to the concept of a contradictory God. All the confusion results from the idea of Compulsion. Let us look closely at the phrase (ما تشاؤن). The Arabic ' ما ', although used for WHAT, is also used for NOT, which is precisely the case in these verses. (I have dealt with this grammatical point in my work on the *Quranic* lexicon, the *Lughaat-al-Quran*). Therefore, (وما تشاؤن الا أن يشاء الله) comes to mean: 'and you (should) not wish but only what *Allah*'s (program مشيئة) wishes'. In other words, it is better for Man to synchronize his desires with the cosmic and social design formulated and established by *Allah*, which, in a nutshell is this: *'Allah* doesn't want his created people to deny the Truth. It will be in line with His wishes if you choose the right path. If you reject (the message) *Allah* is not affected by it (only you will be!) as each single one of you has to bear the consequences of his own individual actions. These consequences shall be manifested (in due time, according to, *Allah's* laws مشيئة) as His system keeps track of whatever you do (39/7).

I am confident that very clear to the reader are the very different (almost opposite) meanings rendered to the verses in question. They transform a helplessly bonded creature into an intelligent, free-choosing creation!

IV - من يشاء - (Whoever wishes)

The verses presented in support of their view by the Compulsionists are the ones with the phrase ' من يشاء '-- translated as 'whom (He) wishes. For instance: 'He *(Allah)* misguides whom He wishes and guides whomever He wishes' (16/93); 'He *(Allah)* forgives whomever He wishes and punishes whomever He wishes' (2/284); 'He *(Allah)* gives means of living in plenty to whoever He wishes and measures it (in small measures) for whoever He wishes" (17/30).

Taken as that, these verses clash with the general and basic *Quranic* philosophy of (mis)guidance --- 'Say (to them) the Truth is (here) from your Preserver, so accept whoever (among you) wants it or reject (if you so wish)' (18/29). About punishment and forgiveness, a very frequent verse of the *Quran* is: 'It is the result of their deeds'. The principle regarding means of living is: "There is nothing for Man except what he strives for" (53/39).

The contradiction renders meaningless the *Quran's* claim of being a divine revelation because it has cited its consistency as evidence of its divine origin.

Two meanings

According to Arabic grammar, من يشاء can have two uses 'whoever wishes' or 'whomever He wishes'. For instance, (16/93) may be interpreted as either '*Allah* guides or misguides whomever He wishes' or 'whoever so wishes is guided or

misguided'. Similarly, the other two examples cited above may be taken to have either *Allah* or Man as the subject of the sentence.

My stand is to take the interpretation which is consistent with other verses on the same topic as well as the overall philosophy of the *Quran*. The Law of Returns (every action of Man has a reaction, and therefore, a consequence) is the pivot of the *Quranic* ideology. Therefore, it is logical and sensible to take Man as the subject of the sentences in the verses in question.

An important verse from *Sura An-Nahal*

Let me remind you of the previously quoted verse from *Sura An-Nahal*. The entire verse says (as traditionally translated): 'If *Allah* had so wanted, He would have made you all one nation but He misguides whomever He wants and guides whomever He wishes so that He inquires from you about your deeds' (16/93).

Obviously, this translation / interpretation has intrinsic contradiction. The correct interpretation should be: 'If *Allah* has so wanted, He would have created Man as one group (like any animal species). But His plan (مشيئة) is different. He has given Man the freedom of choice. Therefore, Man may choose the right path, or the wrong one – he is completely free to make a choice. That is why *Allah* will eventually hold Man responsible for his actions'.

Some verses use the expression من نشاء (whomever We want) or من يشاء Whomever *Allah* wants (whomever I want). In such cases, the subject of the sentence has to be *Allah*. For instance, *Sura Ana'am:* "We raise status according to Our wish (Our Plan مشيئة)" (6/84). His program for raising status and position is: 'To everyone the status according to his deeds' (46/19). Similar is the situation of the physical universe around Man. *Sura Rome*, for instance, says: "Then He spreads them in the sky according to whatever is His wish (plan مشيئة)….." (30/48). The system of progeny in men is subject to similar physical Laws (*Allah*'s plan مشيئة) (42/49-50).

V- يفعل ما يشاء (He (*Allah*) does what He wants)

VI- يحكم ما يريد (He (*Allah*) ordains what He intends)

Please have another brief look on Chapter 2 where two aspects of Allah's Plan of Creation have been discussed. First is *amr* when He creates out of nothingness and establishes laws for the existence, growth and development of things. At this stage He exercises His absolute, limitless discretion – "He creates whatever He wishes" (42/49); 'He does whatever He intends (24/14); 'No one can question Him over what He does' (21/23; 5/1; 2/253). This aspect of creation *(amr)* has by no means come to an end. Creation continues (35/1). The universe known to Man is just one tiny drop in the ocean of *Allah*'s creation. Secondly, there is the creation (khalq خلق) based upon matter already in existence.

According to His Plan (مشیئة)

At this stage, 'He does whatever He wants'(یفعل ما یشاء) means that He does things according to laws and plans already set by Him. For instance: (i) *Sura Ra'ad:* "Every action has a result in due time (set by *Allah*'s law), so (things or nations) go out of existence when *Allah* ('s law) wishes it" (13/38-39). (ii) *Sura Ibrahim:* "*Allah* has established (by His law) a firm system of life according to which the convinced survive here and in the hereafter; similarly, the transgressors go astray (and are destroyed); *Allah* does whatever He (by His law) wishes" (14/27). (iii) *Sura Beni Israel* says that the physical universe yields its bounties to anyone who strives for them in the right way – "The Dissenters as well as the Convinced can progress if they work according to their Preserver's Law – His bounties are not denied to anyone. We want what We intend" (17/18-20). *Allah*'s plan (wish / intention / program مشیئة) is to have the physical universe (here) open to everyone but restrict the hereafter to the righteous only (3/175). But it all happens according to laws (3/107). It is *Allah*'s will that people bring hardship to themselves due to their own deeds (5/49). *Allah*'s laws in the physical universe are naturally there while He has sent His guidance through Revelation to Man for his social life (22/16). (iv) The story of *Beni Israel* spans a wide part of the *Quran* as it illustrates *Allah*'s laws regarding rise and fall of nations. *Sura Qasas* talks about the tyranny of the Pharaohs reaching its peak and the rising of Moses against it. He educated Israelites to that purpose and took them out of bondage into Sinai for renaissance. The story of Israelites opens thus: "And We resolved to bestow Our favors on the people thus subjugated and wronged…." (28/5).

***Allah*'s intention realized**

The resolve by *Allah* was realized not in the manner used in amr. Here, its manifestation required a practical program to be followed by the Israelites. But, when *Beni Israel*, failed to act accordingly, the promised land (5/21) was declared out of bounds for forty years (5/26). The banishment to wilderness was the end of the old and the birth of a new (next) fresher generation who very speedily seized the 'promised' land! Therefore, *Allah*'s resolve regarding the human social world is realized by humans.

(v) *Sura Haj:* Verse (22/8) is traditionally translated as: 'One who is degraded by *Allah* cannot have respect. Surely, Allah does what He likes'.

Laws for Respect and Degradation

This clearly means that there are no laws for one's respectability (in society or even in *Allah*'s eyes). But this is not true. See, for instance, a verse from *Sura Al-Fajr* where it says that when a person (or a nation) is degraded, he says: 'My Preserver has degraded me (without good reason)! *Allah*'s reply to that blame is that degradation is brought upon one by one's own deeds, e. g., "but because you did not respect (and cared for) the lonely (people) …" (89/16-17).

(vi) *Sura Haj:* "And We keep it (the fetus) in the wombs till a declared (fixed) period as We desire" (22/5). Obviously, 'as we Desire' doesn't mean that *Allah* decides the duration of each fetus individually. The entire process is subject to natural biological laws. Therefore 'as We desire' (ما نشاء) means: according to (the law) which We have already willed (established).

***Zakariya's* Child**

Another incidence regarding human birth mentioned in the *Quran* may be relevantly interesting, i. e., the Messenger *Zakariya* begetting *Yahya* (John). *Zakariya* was quite old and his wife was infertile and, naturally, did not expect to have children. Therefore, he was doubtfully surprised when given the news of a forthcoming son. *Allah*'s reply in verse (3/39) is traditionally translated thus: "*Allah* does whatever He wills". This does not mean that *Allah* arbitrarily decided to give *Zakariya* a child. It all happened under natural medical laws – he was still fertile and his wife's deficiency was removed (21/90), so they had a child, perfectly according to natural laws.

***Allah* can be questioned**

This brings us to a very interesting aspect of the topic under discussion.

Allah cannot be questioned over His decisions in the domain of *amr* (21/23). But, in the domain of *khalq*, the situation is different. *Allah* has promised Paradise to men if they follow the *Quranic* pattern of life ----- "This is your Preserver's promise which can be questioned!" (25/16).

Concept of *Allah* in Imperial Islam

That, incidentally, is the *Quran's* image of *Allah* --- a creator who functions according to laws and is responsible for His actions. He is not a whimsical dictator. He is a law-abiding ruler. He rules by set laws not by arbitrary decrees. Sadly, when Muslims abandoned the *Quran* [at the end of the period of 'the righteous caliphate' (the first four successors of the Messenger) around year 40 *Hijra*], their concept of *Allah* changed to one of an emperor.

Concept of *Allah* changed the Social System

Allah became an absolutely tyrannical dictator ruling the universe and humans according to His moods. This concept of *Allah* went very well with the idea of Compulsion. So, understandably, the Muslim kings found it to their advantage to support the idea of Compulsion, so much so that it came to be an article of faith. This illustrates how a human society is affected by its concept of God. It was very rightly said by *Comte:* 'You Tell me about a group's concept of God and I will tell you all about their civilization.'

The *Qran* presents *Allah* in His true perspective. It also makes it clear that sovereignty is for *Allah* alone. This does away with imperialism, dictatorship, ecclesiastical leadership, etc. This exclusion of all authority except *Allah*'s is the meaning of the well-known *Quranic* phrase "لا الـه الا الله" There is not god except *Allah*!

إن الله على كل شيء قدير - *Allah* Controls All Things

This verse occurs frequently in the *Quran*. Traditionally, it is taken to mean that *Allah* does whatever He wants, whenever He wants. I have dealt, in Chapter 2, with the Arabic lexical root q - d- r- (ق د ر) and its derivatives.

Meaning of *Qadeer*

Qadeer means one who establishes measures and standards. Therefore, the phrase at the head of this section will mean: "*Allah* has set measures and standards to all things (according to which they function)! *Allah*'s control (measures and standards) extends over every thing. By dint of being bound by laws, measures and standards, the universe is discoverable, and hence controllable by Man (45/13). This divine control extends also to the social world of humans -- '(Mankind) benefits or suffers by its (own) deeds' (2/286). Just two verses before this, it says: 'So one may get the protection of *Allah*, whoever so desires, or invites punishment, whoever so desires; and *Allah* is the Measurer of all things' (2/284).

Sura Aal-e-Imran: "*Allah* knows whatever is in your hearts and out. He knows everything in the expanses of the universe. He is the Measurer (standard-maker) of all things. Everyone shall face the results of their actions at the appointed time (3/28-29; 5/40; 5/119-120).

Again, in *Sura Aal-e-Imran*, it says – 'Those who take pride in being wrong, and expect undue praise, should know they cannot escape *Allah*'s law. The entire universe is His domain and He is the standard-maker of all things" (3/187-188). It has been made even clearer in another place of the same *Sura:* The Muslims had to incur some losses in a battle *(Uhad).* Referring to it, the *Quran* says: "You said why it had happened to you. Tell them (O Messenger) it happened because of your own selves (doing something wrong) – *Allah* is the Measurer of all things" (3/169).

In *Sura Tauba*, the Convinced are told: "If you don't take up arms in *Allah*'s way, you will get into big problems and *Allah* will replace you with other people; certainly, *Allah* is the standard-maker of all things!" (9/39). This point is elaborated elsewhere in the *Quran* when it refers to the Dissenters who are advised to learn a lesson from past peoples who were destroyed by their own deeds – Surely, *Allah* knows and controls (through measures and standards) all things – (35/44).

Allegory of Agriculture

At several places, the *Quran* has illustrated the Law of Returns through the allegory of agriculture. Crops grow on fertile land according to laws of nature. Barren land doesn't produce anything even if it gets rain. Natural rule in agriculture is 'you shall reap what you sow'. It applies to life and death of peoples: 'So ponder upon the effects of *Allah*'s bounty (rain) which revives 'dead' land. The 'dead' (people) are revived in the same way – and He is the standard-maker of all things!' (30/50; 18/45; 41/39). *Allah* has set measures for life and death here as well as in the hereafter.

Israelites – due entirely to their own misdeeds – fell into degrading slavery of Babylon for about a century. Their national revival and re-acquired freedom is narrated allegorically by the *Quran* and, then: "Surely, *Allah* has set standards to all things ---" (2/259).

The Messenger's Wish

The period of Respite fares very importantly regarding the Law of Returns. This period is set by *Allah*'s laws, e.g., a seed transforming into a fruit-bearing plant. The Quran illustrates this vital point in a very expressive way. The Messenger (Muhammad) had the mission to revolutionize mankind. He spent his life through back-breaking and frustrating struggles against all odds. Towards the twilight of his life he was naturally anxious about the result of his efforts. *Allah* responded thus: "Certainly, We can bring, what We promise, for you to see (but because everything happens according to set laws-- Respite and Returns --), your responsibility is to spread (the message) and We have the responsibility of (its result according to set) calculations" (13/40).

Interstellar Life

The God Who is not willing to alter His set 'calculations' even for His messenger cannot be imagined to 'do whatever and whenever He likes (whimsically)'. The entire universe functions and operates by set 'calculations'. Knowledge of these calculations has enabled Man to set foot on the Moon on his very probable way to interstellar travel and eventually, meeting life out there. *Sura Ash-Shura*: "Among His (great) signs is that He created the Earth and the planets and spread in both of them living creatures; and He will bring them together when He desires (according to standards and measures set by Him)" (43/39).

In verses 5 and 6 of *Sura Haj*, the phrase 'certainly, *Allah* has control (through standards and measures) over all things (إن الله على كل شيء قدير) has been eloquently presented. I quote my interpretation of the two verses from my work *Mafhoomul Quran:*

> Say to them: if you have doubts about the hereafter because you find the idea incredible, ponder for a while on the fact of your own being created from inorganic matter (primary life began in water and evolution has brought it to the point) where procreation is the means of progeny. The womb is impregnated. Then the fetus becomes like a leech, eventually taking shape from a shapeless mass of flesh. The purpose of these stages is to realize the potential of semen.

The fetus stays in womb for the time decided by Our plan (مشیئة), then you are born as a living human child (16/70). Some of you die young; others grow old, and infirm and childish once again.

Apart from the example of your own self, look around. Earth, for instance, is dry and lifeless before we pour rain on it and it suddenly comes alive, fertile and a treat for the eye.

All this proves that *Allah* does really exist and His law always works towards solid productive results. It can revive lifeless things, so it is not, difficult for it to resurrect the dead.

(*Mahfhoomul Quran* pp. 751-752)

Allah's Measures and Standards

Allah has control (through standards) over all things! (22/6)

Summarizing then, these are the standards and measures set by *Allah*. The physical universe follows them compulsively, but Man is free to make a choice of either adopting or rejecting them. But, he is not free to alter the natural consequences of his chosen actions. Considerably important is the point that the phrase in question -- إن الله علی کل شیء قدیر -- invariably uses the word 'things' (اشیاء). Man appears to be excluded, making him free to choose his actions. *Allah* does not bind Man by His laws against his will. What he does is entirely his own decision.

==========

ECONOMIC SYSTEM OF THE HOLY QURAN

By
G.A. Parwez®
Translated By:
Dr. Mir Mustafa Husain, India.

========

Land belongs to Allah:

To state the fact that land belongs to Allah alone, the Quran has quoted an event of the people of Thamud. It states that cattle-rearing was the means of livelihood of the people of Thamud. There were open grazing lands and water points in the surroundings, but the leaders of that nation had kept them under their individual control. Due to this, cattle of the weaker sections used to remain hungry and thirsty. Prophet Saleh (A.S.) came to them as the Messenger of the revolution. He raised voice against the oppression and violence of those chiefs who asked him as to what he wanted finally. He replied: 'I want that as this land belongs to Allah, it is neither yours nor mine, and these cattle are also created by Him. Therefore, these animals should have freedom to graze on the land of their Allah. In what way you have the right that you fix up boundaries on *arzullah* (land of Allah) this way that His creatures cannot cross the boundaries fixed by you on His land.' (7:73; 1164). [In the land of Madyan, an event of this kind had occurred with Prophet Moses (S.A) where the herdsmen of the tribal chiefs did not allow the cattle of weak and feeble girls to take water from the water points (28:23).] They said: 'What should be the practical approach to this problem?' Prophet Saleh (A.S) said: 'This is a very simple matter. You fix up the turns of the animals irrespective of the animal belonging to whom; it should take water at its turn.' (26:155; 91:13). The meaning of 'fixing the turns' itself is that this is not the personal property of anyone. This is for the benefit of everyone.

It could be noted that as to what is the meaning of Allah's land? This is not a perception of any human mind or a theoretical human belief. This is the practical foundation of the economic system of the Quran that land is the means of livelihood for the entire mankind; it cannot become anybody's personal property. Having theoretical belief in Allah's land, and giving it practically under the ownership of individuals is paganism according to the Quran; it is *kufr* (unbelieving), and accusition of lie to the *Deen*. In the words of Iqbal again:

Opposition to this system:

An indepth study of the Holy Quran reveals that this is that economic system which the Divine revelation sets forth for the prosperity and welfare of mankind and called *Nizam-e-Rububiyyat.* This is the system all the Prophet in their times have presented before their people, and the capitalists *(mutrafeen in terms of Quran)* opposed it vehemently. According to the present day terminology *mutrafeen* are the capitalists. The Quran says: 'We have not sent any Prophet who had presented this revolutionary programme and the capitalist class of that period did not oppose it (34:34). Two things came out from the above glorified verse:]

1. The system presented by the Holy Prophets was contrary to capitalism, therefore the capitalist class used to oppose it, and.
2. The wrangle between the Divine order and the capitalistic system existed not just specific to the present age and that it has emerged spontaneously. This is in vogue right from the beginning. And the Quran says that at the same time if any group, taking up this Divine order, stands steadfast and puts in sincere efforts to push it forward, this system will meet success no matter that the capitalist forces spending any amount of money and acting with all force against it. It is stated in Surah *Al Anfal:*

The opponents of this system will spend huge amounts of money to hinder people coming towards the path of Allah. They will continue to spend their money like water in their evil efforts. But their money will serve no purpose. They will have regrets that they had wasted so much money unnecessarily. Because ultimately they will face a defeat (8:36). Spiritual leaders, religious chiefs, priests, and *ulemas* will 'eat', with great taste and pleasure, the money thus pent in raising obstacles in the path of Allah. But this will never bring to them any fruitful results (9:34). These *mutaffifeen* (dealers in fraud), who collect their own dues completely but never pay others' dues, will be removed like feathers from the path of Allah (83:1-4). This will happen when mankind will rise for establishment of *'Rububiyyat-e-a'lamini'* [(providing the sustenance universally for growth and development of mankind (83:5-6).]. At that time, the root of those people, who used to devour others' money fraudulently, will be cut off (6:45).

***Al Hamdulillah* (praise for Allah):**

Al Hamdulillah is the first half portion of this verse. Before bringing the second half portion of this verse, that great reality may be repeated (as it was mentioned in the beginning also) that the Quran had initiated its call by *Al Hamdulillah-e-Rabbila'lameen* i.e. Allah is worthy of all praises and appreciations because of His *Rububiyyat-e-a'lameeni* (providing sustenance to all the creatures). But in the world of mankind, *His Rububiyyat* (providing sustenance) does not get

established directly. This is established by human hand, and it cannot get established unless the root of those oppressors, who stand in the way like a huge rock, is cut off. Therefore, without cutting the roots of the oppressors, neither *Rububiyyat-e-a'lamini* can get established nor *Al Hamdu lillahe Rabbil a'lameen* can appear spontaneously at the tongue of man. Now look at the entire verse; it says: "Of the wrongdoers the last remnant was cut off. Praise be to Allah, the Cherisher of the Worlds." (6:45). And this was the climax of that call which arose as an inviter of that great revolution. "This is how they will proclaim the *Hamd* of Allah—the Nourisher of all humanity." (10:10).

Guidance of *Wahi:*

But this economic system of the Quran cannot be established without the guidance of Allah's *wahi.* This expression is not based just on faith, it is a sound reality and worthy of noting it. As any problem of human body is treated keeping in view its entirety, similarly the human economic problems also have to be solved keeping into consideration the mankind as a whole. Allah's *wahi* has given certain permanent and comprehensive values keeping in view the entire mankind, and by working upon them the individual as well as collective life turn beautiful and elegant. It could be said that Allah's *wahi* provides such a complete and comprehensive formula that if it is acted upon totally, will bring about expected results. If some parts (or even one part of the formula) are left over, the expected results will not come out. Same is the case with economic problem of man. If it is tried to solve a problem isolating it from other problems of life, entanglements will develop. It could be imagined that if the economic system of the Quran, the outline of which has been already presented, and according to which the responsibility of providing basic needs of every individual is taken care of by the society, if this is introduced in such a society whose members are idlers, it could be imagined then what will be the result. Or if abundant food gets into the hands of a nation which is submerged in luxuries and jovialities of life, it could be imagined as to how much disaster the abundance of sustenance will bring to them. According to the evidences of the Quran: "And how many populations We destroyed, which exulted in their life (of ease and plenty)! Now those habitations of theirs, after them, are deserted…" (28:58). Therefore no philosophy of life, no code of life, considering man a physical machine, and thinking of solving his food problem alone (leaving other problems aside), can never make the human caravan reach its destination. The Quran is a complete code of life for mankind, and the economic system is one of the facets of this code. This entire code is based on the fact that human life is not the name of man's physical body machinery; besides his body, the life contains something else also which is called human self or human personality.

Human personality:

At the present level of his life, if the self in man is made to grow and develop properly, he becomes able enough to cover further stages of evolution after his death. His personality grows and develops when he leads his life in this world as per the permanent values given by the Divine revelation. One of the permanent values is that the more he gives for the growth and development of others, the more will be the growth and development of his own personality. In this context the Quran says: "Those who spend their wealth for increase in self-purification…" (92:18). The one who gives his material goods his self grows and develops. The famous psychologist of the present age Eric Fromm describes this reality in his own beautiful way when he says: 'The aim of life should not be 'to have' but 'to be'; this thing the Quran calls as growth and development, and concentration of the human self; and that is achieved by giving the material goods to others. The goal of life is fixed as 'to be' which is contrary to 'to have'. It could be seen that as the level of human knowledge increases, truthfulness of the proclaims of the Quran come forth in a crystallized from (41:53). This has made it very clear that the economic system of the Quran is established by those persons only who believe in the values given by *wahi* and the life in the Hereafter. (This is called *iman bil aakhirat*—believing in the Hereafter).

***Iman bil aakhirat* (believing in the Hereafter):**

This is the reason why the Quran has said that *eeta-e-zakat* (arrangement to provide sustenance for growth and development) can be done only by those who believe in the Hereafter (27:3, 31:4). A disbeliever of the Hereafter cannot provide *zakat* (41:7). The matter is very clear. Whoever thinks that life is just this physical life (worldly life), and the one who spends this life pleasantly is a successful individual; for such a think how can there be any spirit of action under which he should do any hard work, to retain for himself what is needed, and to give rest of it to fulfil the needs of others. If at all such kind of spirit is created in him through some external pressure, it will remain with him for sometime as long the pressure persisted and later it will disappear from him, and he will gradually revert to capitalism. A capital-worshipper does not believe in the Hereafter. This is the reason when the Quran tells Qarun—the representative of capitalism, that he should give up that genocidal false system; in its place it suggests a system whose attribute, described by the Quran, is that from his material and wealth, he should take the share for his worldly life and also make His hereafter prosperous (28:77). And the same desire also persists in the hearts of that group which emerges as the conveyer of the economic system of the Quran and says: "Our Lord! Give us good in this world and good in the Hereafter…" (2:201). And this could be achieved by following the code of life given by *wahi* whose one facet is the economic system of the Quran. In a publication *'Nizam-e-Rububiyyat'* (1978, Idara-e-Tolu-e-Islam, Lahore) it is described in a very comprehensive and elaborate form that the economic system of communism or

socialism could not meet success (nor it can be successful) because the torch-bearers of these systems neither believed in *wahi* nor in the life of the Hereafter. They did not have that foundation upon which the edifice of such a great system is constructed. Even with the Muslims too, this could become successful provided this community should have a very strong conviction in the truthfulness of the *wahi* and the reality of the Hereafter. To achieve this objective, first of all basic psychological change has to be brought in the minds of this community because at present their *iman* is nothing more than formal words and few rituals.

Links of the chain of economic system prescribed by the Quran are given above; and through them it takes the system gradually to the point of completion from the point of initiation. Obviously establishment of this system is possible in an Islamic State only. (And an Islamic State is that whose entire functioning is accomplished by remaining within the framework of the Holy Quran). Whenever and wherever an Islamic State is established, it has to take the decision keeping in view the condition of the society prevailing at that particular time, and that from which link of the chain (system) the programme has to be initiated to make the establishment of the system practically possible. Obviously superficial emotion-worshippers will insist on taking up the final stage of the programme as first and in the beginning itself and thus making the reality a poetry. Another group (within this community), which does not keep in view the complete code of life given by the Quran, will consider it totally impracticable, and (under self-presumption) will regard it as against 'human nature' as nowadays the veiled-supporters of capitalism generally say). Therefore it will be necessary for the torch-bearers of this system to take its final destination as their aim, but should take practical step gradually to reach at. The economic system of the Quran was established the same way during *'Sadar-e-Awwal'* (the period of the Holy Prophet Mohammad (S) and the four caliphs after him); on the same lines it can be established now also. However, there is some difference between that period and the present age that when the Holy Prophet (S) had proclaimed the voice of this revolution he was then the lone Muslim, the rest were all non-Muslims. But now the responsible people of the Islamic State will all be Muslims, and therefore they could be told: 'This is the system of the Quran and you believe in the Quran, therefore you should not have any objection on establishment of this system.' This way our job will become comparatively easy but on account of this it may also be more difficult.

As it has been stated earlier that the Holy Prophet (S) was the first Muslim. Those who embraced Islam then-after, they accepted it after considerable thinking and proper understanding. They gave maximum thought to each and every aspect of the *Deen*, and then they became a Muslim having perfect belief and utmost satisfaction of heart and mind. Therefore, when they were called upon to establish this system, they were not unacquainted with all its tenets. They had full faith in its beneficence and soundness. But now in this world, there is not single piece of land

where the Muslims have taken Islam with the kind of that conviction which existed during the period of the Holy Prophet (S) and the four Caliphs, therefore if any State wants to introduce this system, there 'Muslims' (in the words of the Quran) have to be made a Muslim afresh (4:136). Capitalists and religious leaders will form an opposition front because to them, Islam is that Islam which was designed and fabricated during the period of our kingship (when *khilafat* became kingship); and with them the authenticity for this Islam to be true Islam is the 'tradition of their ancestors'. Muslim State which will be able to act against these forces could alone be able to establish this system. But if they do not establish it with them, some other nation of the world will adopt it. The Quran has already said: 'If you turn back from the path of Allah, He will substitute you with another people who will not be like you.' (47:38).

At this stage this fact may be explained once again that it is said that Russia or China has started this system,--if this is not leading to misunderstanding, it is certainly a self-deception. Neither this system has been started by them nor it can work there. Marx had said that the solution of the economic problem of mankind lies in the fundamental principle: 'extraction of work from everybody as per his capability and compensation given be as per his needs' But he could not get that spirit of action on account of which people will be prepared and came forward to act upon this principle. He, therefore, decided to adopt socialism in place of this system (the communism), and as a result of this the mankind got tied into such chains which are stiffer than those of capitalism. In such a philosophy of life wherein neither there is belief in Allah nor in permanent values, nor in human personality nor in life in the Hereafter; when such is the case, how can there be the *Nizam-e-Rububiyyat* established? They cannot get the base itself for this system. Iqbal had, therefore, said in this respect:

Nor this system can be established through the 'current Islam' which itself is the product of capitalism. It can only be established through the Quran.

You want to establish communistic world social order but have you provided foundation firm enough to bear the load of the huge structure of such social order.

****

RELIGIOUS ELITISM

By
A Rashid Samnakay, West Australia

==========

Dear Uzmeena and Abid. Hope you are enjoying your holidays.

You were wondering why every body is talking about … 'you know who' (not Voldermort of Harry Potter!), when they came to visit us when you were here? Well here is the reason which I am presenting to you in the form of an article. It might be a bit over the top for you at your age, but if it makes you think—well that is the aim.

In a recent 'lecture' which I attended, given by one of the 'religious' person, he made a reference to a story in which a Rasool was chastised by God (via Jibrail) for claiming to be the wisest, contrary to only God *(lillah)* being so. This story is hard to believe and lead to some discussion, since all the messengers were chosen for their Iman in the supremacy in every aspect, of the one and only God *(illallah)*. However the lecturer then proceeded to refer to others of his colleagues of the religious circle as Ulama and Maulana!

A question arises that if God did not like a Rasool to presume that he is 'the knowledgeable', then how come all those millions of Maulanas and Ulamas who roam the earth today, particularly from the South Asian Region, use these titles as if there is nothing wrong with it?

When quizzed, the Alim, for the lecturer was a Hafiz, Sheikh and an Imam had this to say--

"There is a verse in Qur'an which says … *fainnallaha huwa Maulahu wa Jibrilu wa saalihul-momineen"……*and said "it is clear that in this verse Gabriel and the righteous are also Maulas". Please note, the text quoted is only the middle part of the verse *66:4.* of which fact the Alim did not think it necessary to inform the audience!

We will come to the context of the part-verse quoted above later. But first:

The issues here are to question the whole ethos of mankind's (*bani-Adam's*) place vis-a-viz each other , the legitimacy of "religious institution" generically called the Church and payment(reward) for the 'service' rendered, according to Quran.

Equality of Humanity

Now indeed, WE have conferred dignity on the children of Adam(as birth-right, regardless of where the child is born). And provided them with transport on land and

*sea and given them decent things of life. And WE have favoured the humans far above a great many of our creations*17:70.

The main theme here is simply that there is no gradation or stratification amongst human beings in terms of ad-Deen, the Code of Islamic life. So much so that even the Rasool is directed to declare: *say, indeed I am but a human being like your selves (but) the revelations (wahi) came to me and your Lord is the only God 18-110,* hence ensuring Rasool's (one who compiled a Risaalaah) place in the civil society as an equal among equal humans. He is directed to declare*, 'glory to God, am I more than a mortal man, a messenger'? 17:93*

Priest-hood

The distinction between Rasool and the man is the *wahi*-compilation of which is the Quran. It warns: *Muhammad is no more than a messenger*, *many were the messengers that passed away before him 3:144.* Now, if those amongst us who have taken the mantle (figuratively, in their attire and attitude) upon themselves of propagating the message of the wahi; and claim a certain reverential status for doing so, must be in contravention of the main theme of the Qur'an ... *then those who are followed clear themselves of those who follow them*: *they would see the penalty and all relations between them would be cut off.2:166* And their <u>followers</u> are asked, *have they never learnt to think for their own self…?30:8.*

There should be no hesitation on our part to admit that these titles are **meant** to and we commonly do, elevate the title-holder to a status higher than the ordinary person. Thus creating a spiritual grade higher for 'them' and consequently a grade lower for 'us'.

It has lead to the establishment of an elite of piety, custodianship of knowledge and a certificate of good character in the eyes of the society—that is elitism, contrary to the Qura'n!

"……WE have not appointed you(oh Rasool) as a guardian nor are you responsible for them"6:107. There is no 'shaman' of the jahiliya days to look after us folks. Every body for themselves now!

Church- (Religious) Institution

This 'Religious' stratification of mankind is the genesis of the establishment all over the world, of the "CLERGY and the CHURCH", a generic term for Muslims or non-Muslims alike!

The 'church' is an institution which has, particularly in the Muslim context created spiritual elitism. It has usurped our faculty of "aqal" and "ijama" and has rendered us addicted to 'religious' handouts. The 'custodians of knowledge', who more often than

not, are ill-equipped to fathom the broader messages of equality, and have a narrow focus to maintain the institution for vested interests.

The 'body-church' as the Christians for example like to refer to their whole system, is copied by Muslims lock stock and barrel for the sole purpose of keeping the uninitiated as ignorant as possible. The position of the temple/church/mosque, priest, and the laity (the body church) is thus entrenched in two distinct strata. The former wise, pious and holy (dresswise, *for those who want but to be seen ..107:6)* and the latter…well just lower class or ordinary sinners.

The only saving grace and of some consolation to a portion of latter class is provided if it happens to be wealthy. They help to consolidate the 'religious system' with 'donations' which is considered charity and a means to acquire merit in the hereafter. At the least, to be able to pamper the elite with gifts and (dawats) (invitations) gives the spiritually servile a little look-in it.

Most strikingly however, if one was unfortunate enough to be born a female, one is relegated to the balcony or behind a curtain to the back of the mosque, entry only through rear doors. Thus fully half of the Ummah is kept at the fringes of the Muslim society and hardly a peep-in is given in the workings of the institutions of the elite. This conflicts with free-entry to both genders in the Masjid-ul-Haram at Mecca!

Even the Rasool is forbidden to claim any such elitism for himself in the society for he is again directed to declare *say I only warn you according to divine revelations 21:45*(that is Qura'n). The religious hierarchy is simply the manifestations of human urge to 'rise above the others' in social status. And the institution therefore acts as their security-fortress akin to a trades-union or a guild, which even the Rasool did not establish for himself. He did however establish an Islamic State.

Reward for Guidance

There is a subtle difference between Teacher's teaching for the dissemination of knowledge and that of guidance by priesthood. The Teaching is universally accepted as an accredited profession and is rewarded for its services by the education system.

But for the latter there is no legitimacy in Deen. For them (the clergy) the bread is buttered on both sides with jam on it. There is monitory reward, elevated status in society and as well as a reward for the hereafter. A lucrative package of employment if ever there was!

The Rasool is yet again asked to declare: *say no **reward** do I ask of you for it but this: that each one of you who will, may take a straight path to his LORD 25:57.* Thus ensuring that there is no institutional protection for him nor is there any hijab-inhibition, between the guide and the guided which would restrict a free and frank

dialogue, as it exists when the imam elevates himself on the 'mimber' (pulpit) with a rod in his hand mimicking the Asa of Moses or the shepard's hook of the Bishop.

What ever16:25 says, *call to the way of our Lord with wisdom and beautiful exhortations. Reason with them most decently ……* is lost in practice. Firstly because the laity is not aware of its right to question every thing, a divine right given to it by Qura'n- *they do not follow like deaf and dumb25:73* or being afraid of 'fatwaa' being issued for expressing a different opinion. But most importantly the Ulama dislike dialogue. Question time if ever there is, generally has no provision or acceptance of dissent. It is common for them to ask rhetorically of the dissenter, who may not be expecting such a retort – "do you believe in Qura'n"?, to put him/her 'in their place' and thus bring the discourse to dead end as soon as possible.

From the above I conclude that the dissemination of knowledge (education), wether of Deen or secular has to be an integral part of a Nation's educational system with no exceptions.

The Titles

Now to the lecture:

In the light of just a couple of the Qura'nic verses on the subject of the elite title 'Maulanaa', viz:

"*Remember only Allah is your Maula(**Lord**) and HE is the best of helpers 3:150"* And

*"And strive in HIS cause …… and hold fast to your only God (**lillaah**). HE is your Maula (**Lord**) 22:78"*-- a solid case can be mounted to contradict the learned Alim's contention (ignore the tautology). The word **Lord** (absolute Master) in the context of Qura'n cannot be utilised for any human other than God (unless one was a slave owner- remember Thomas Jefferson, one of the author of 'Declaration of American Independence'?).

However let us consider the whole verse 66:4 referred to above, which is in reference to Rasool's two wives causing some domestic problem for him!

*If you two turn in repentance to God, (that is good) since your hearts had deviated. But if you back each other up against him (in family matters) then behold God is his Maula (**Lord** who will protect him) and Jibraeel and the righteous are believers. And also angles are his obvious (zaheer) helpers.*

Thus making it obvious to his spouses that Rasool is protected by God, can be informed of their (wives') shenanigans by Jibraeel and supported by righteous believers as well as angels.

The above when read in conjunction with 2:286 … … *Our **Rab** (sustainer)…have mercy on us. You are our **Lord** (absolute Master-protector); help us against those who stand against our faith* and many more such references in Qura'n; which is the only way to understand it. It becomes clear that with ***lillah*** and ***Rab*** the adjectives, Maula is meant only for Allah.

For centuries we have been making an exception in the case of the word Maula due to our servitude to the church system, ignorance and the entrenched position of the clergy in the 'religion'. Would it be wrong to ask, not facetiously, if tomorrow we would take the Rab out of ***rab****bil-aalameen* and apply it to the Head of State should his/her nation acquire the status of the **only** super power in the world and subjugates the whole world with its military and economic might? The supposition that it will be then the *only* nation that will be able to take on the mantle of providing *protection (maula) and sustenance (Rab)* to the rest of us at its will and whim. In such a situation would it justify that title??-

My dear children, as usual remember *afala tafakkaroon*. Convey my salaams and love to you all. Dadajan.

==========